فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (القرآن)

مُحدِّث

مدیر: حافظ عبدالرحمن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰ روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰ روپے **بیرون ملک:** ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

magazine.mohaddis.com

حافظ عبدالرحمن مدنی
مدیر

حافظ حسن مدنی
مدیر معاون

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
LAHORE - PAKISTAN

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث لاہور

فکر و نظر: بیجنگ میں خواتین کی عالمی کانفرنس	اداریہ	۲
کتاب و حکمت: تفسیری افادات ـــــ حافظ ابن قیمؒ	مولانا عبد الغفار حسن	۹
حدیث و سنت: حدیث نبوی ﷺ وحی ہے اور محفوظ ہے	غازی عزیر	۲۴
مقالات: تبلیغ اسلام اور تلوار	مولانا عبد الرحمن کیلانی	۹۹
پنجاب اسمبلی میں عربی، اردو کے خلاف آواز	محمد عطاء اللہ صدیقی	۱۲۰
اسلام میں صالح قیادت کا تصور	ابو جابر عبد اللہ دامانوی	۱۳۰
لاہور میں مدینہ یونیورسٹی کا تعلیمی پروگرام	حافظ حسن مدنی	۱۴۶
"قصور" میں وزارت شرعیہ کونسل کا اجلاس		۱۵۰

جلد نمبر ۲۷ ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ / اکتوبر ۱۹۹۵ء عدد نمبر ۱۰

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے۔ ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ناشر: حافظ عبدالرحمن مدنی — مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، نزد شادمان روڈ، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی — ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی رسالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

بیجنگ میں خواتین کی عالمی کانفرنس

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چین کے شہر بیجنگ میں چوتھی [1] عالمی بیجنگ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۸۵ ممالک سے تقریباً ۳۵۰۰۰ ہزار خواتین اس میں شرکت کر رہی ہیں جن میں ۲۱۸۰۰ غیر سرکاری تنظیمیں (این۔ جی۔ اوز) بھی شامل ہیں۔ کانفرنس کا ابتدائی اجلاس ۳۰۔ اگست سے ۸۔ ستمبر تک چلے گا جس میں این۔ جی۔ اوز بھی شرکت کریں گی۔ پھر اس کا باقاعدہ اجلاس ۸۔ ستمبر سے ۱۵۔ ستمبر تک چلے گا۔ جس میں پانچ ہزار سے زائد سربراہ حکومتی نمائندے مندوبین کی حیثیت سے شرکت کریں گے۔ پاکستان سے بھی ایک درجن سے زائد این۔ جی۔ اوز اس میں شرکت کر رہی ہیں۔ جبکہ حکومت پاکستان کے ویمن ڈویژن نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لئے اپنی تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ قاہرہ کانفرنس کی طرح اس کانفرنس کی صدارت بھی بے نظیر کو حاصل ہوگی۔ نیویارک میں ہونے والی ایک میٹنگ میں اس فورم کے لئے ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ڈرافٹ تیار کیا گیا جسے بیجنگ ڈاکومنٹ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ڈرافٹ یو۔ این۔ او کی طرف سے حقوق نسواں کی علمبردار کارکن ڈیل اولیری نے تیار کیا ہے۔ اس ڈرافٹ کے نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ عورت اور مرد میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔

۲۔ عورت کا روایتی کردار جو وہ ماں، بہن، بیٹی، بیوی کی حیثیت سے انجام دیتی ہے، اس کو

۱۔ اس سے قبل کوپن ہیگن میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں یہ بات سامنے آئی کہ دنیا میں ۷۰% عورتیں غربت کا شکار ہیں۔ اسی طرح ویانا میں حقوق انسانی کی کانفرنس میں بھی خواتین کے استحصال اور جرائم کے مسائل کا مؤثر جائزہ لیا گیا۔ تیسری خواتین کی بین الاقوامی کانفرنس ۱۹۸۵ء میں نیروبی میں ہوئی۔ اسی طرح قاہرہ کانفرنس پچھلے سال ہوئی۔ جس میں یہ طے کیا گیا کہ زچہ بچہ کی صحت کو بہتر بنایا جائے گا۔ اس طرح ۲۰۱۰ء تک بہبود آبادی کا پروگرام دنیا کی ہر عورت تک پہنچ جائے گا۔

magazine.mohaddis.com

بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔ یعنی معاشرتی ڈھانچہ تبدیل ہونا چاہئے۔

۳۔ اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ ۵۰% ہونا چاہئے۔

۴۔ معاشرتی ڈھانچہ کو بھی اس طرح تبدیل کرنا کہ مرد عورت میں مکمل برابری حاصل ہو سکے۔

۵۔ نوکریوں میں بھی ۵۰% کوٹہ عورتوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔

۶۔ بچے پیدا کرنے کا حق عورت کو ملنا چاہئے۔ یعنی یہ معاملہ صرف اس کی مرضی و منشا پر ہو۔

۷۔ اسقاط حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق و اختیار عورت کے پاس ہو۔

۸۔ عورتوں کو ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے، جسم فروشی کی بھی قانونی اجازت ہو۔

۹۔ شادی شدہ زندگی کی مکمل حوصلہ شکنی۔

۱۰۔ مذہب پر زبردست تنقید کی گئی ہے کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

بنیاد پرستی پر بھی بھرپور تنقید کی گئی ہے اور دنیا بھر میں ایک سیکولر معاشرہ قائم کرنا، اس کانفرنس کا ہدف ہے۔

ماہ اگست کے شروع میں اسلام آباد میں مسلم خواتین پارلیمنٹیرین سیکشن کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں انہوں نے بیجنگ کانفرنس میں یکساں موقف اختیار کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ ایران جس نے قاہرہ کانفرنس کا بائیکاٹ کیا تھا۔ اس کے پارلیمانی وفد کی سربراہ مریم بہروزی نے اس موقع پر ایک بیان دیا کہ اس دفعہ ایرانی وفد بھرپور طریقے سے بیجنگ کانفرنس میں شرکت کرے گا۔

بیجنگ کانفرنس سے متعلق پوری مسلم دنیا میں ایک زبردست اضطراب پایا جاتا ہے۔ حکومتی سطح پر اور غیر حکومتی سطح پر، اس میں شرکت اور عدم شرکت کی متعلق مختلف آراء پیش کی جارہی ہیں۔ بہرصورت لبرل اور سیکولر طبقہ تو اس میں شرکت کا زبردست آرزومند ہے۔ ان کا خیال ہے اتنے بڑے خواتین کے عالمی فورم سے علیحدگی، خواتین کے ساتھ زیادتی ہے۔ مسلم لیگی راہنما بیگم مہناز رفیع کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ

> اس کانفرنس کا موضوع: مساوات، ترقی اور امن ہے۔ یہ اقوام متحدہ کی ۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر منعقد ہو رہی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں نیروبی میں منعقد ہونے والی تیسری عالمی خواتین کانفرنس نے پوری دنیا کی خواتین کو مل کر عالمی سطح پر اپنے مسائل کے حل اور ترقی کے لئے کام کرنے کا شعور دیا تھا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اس دہائی میں عورتوں کی ترقی کے لئے کام کرنے والی مزید کئی تنظیمیں اور پریشر گروپ وجود میں آئے۔ یہ تنظیمیں خواتین کی ترقی اور ان کے مسائل، صحت و تعلیم و ملازمت وغیرہ کو حل کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئی ہیں۔ اب بھی خواتین کے ایسے مزید مسائل کا اس کانفرنس کے ذریعہ حل ممکن ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فورم اور حکومتی فورم پر اٹھائے جائیں گے۔ اس طرح عورتوں کی مساوات ترقی اور امن کے عمل کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔ اس کانفرنس کے طے شدہ نکات کے مطابق ہم اپنے ملک میں اپنا آئندہ لائحہ عمل تشکیل دیں گے۔ آخر اسلام بھی تو عورت اور مرد میں تفریق نہیں کرتا۔ اسلام نے تو عورت کو اتنے حقوق دیئے ہیں جو ابھی تک بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں خواتین کو نہیں مل سکے۔ تنقید کرنے والے مرد خصوصاً علماء نہیں چاہتے کہ عورتیں ترقی کریں اور آگے بڑھیں۔ (۲)

یہ شرکت کرنے والی خواتین: شہناز وزیر علی، مہناز رفیع، حنا جیلانی، تہمینہ دولتانہ اور عطیہ عنایت اللہ وغیرہ سب اسی سیکولر ذہن کی نمائندہ ہیں۔

اس کے برعکس ملکی اور بین الاقوامی سطح پر دیندار و سنجیدہ دینی اور سماجی جماعتیں علماء و دانشور اس کانفرنس میں پاکستان کی شرکت کی شدت سے مخالفت کر رہی ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بیجنگ کانفرنس کا مقصد نیو ورلڈ آرڈر کے تحت دنیا میں ایک سیکولر اور غیر مذہبی مادر پدر آزاد معاشرہ قائم کرنا ہے۔ جس کا آغاز پہلے سیٹیلائٹ سسٹم کے ذریعے مغربی ثقافتی یلغار سے ہوا۔ ڈش انٹینا نے تمام مغربی فحاشی و عریانی ہر مسلم گھرانے کے بیڈ روم تک پہنچا دی۔ پھر اس پر عمل درآمد کے لئے پہلے قاہرہ کانفرنس کا انعقاد ہوا اور اب بیجنگ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔

تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر قوم کے زوال میں فحاشی و عریانی کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ خود مسلمانوں کے لئے جہاد اور بے حیائی دونوں باہم متضاد چیزیں ہیں۔ جب تک امتِ مسلمہ ایمان و جہاد کی راہ پر گامزن رہی، وہ سربلند اور بلند مقام و مرتبہ کی حامل رہی۔ اور جب ان میں کمزوری رونما ہوئی اور مغربی اقوام برسر اقتدار آگئیں تو انہوں نے مختلف طریقوں سے مسلمانوں

۲۔ پاکستان سے اس کانفرنس میں جتنی خواتین سرکاری سطح پر شامل ہو رہی ہیں سب لبرل، اور پاکستانی معاشرہ کو مغرب کی نگاہ سے دیکھنے والی ہیں۔ ان خواتین کا اصل مقام تو مغرب ہے، بہتر ہے کہ یہ خواتین وہاں ہی تشریف لے جائیں اور اسلامی احکامات پر مطمئن مسلم خواتین کے اطمینان و سکون کو غارت نہ کریں۔ نہ ہی اسلام کو بدنام کریں۔ اگر صحیح اسلامی حکومت قائم ہوتی تو وہ ایسی دریدہ دہن خواتین کی زبان ہی گدی سے کھینچ دیتی۔

۳۔ قاہرہ کانفرنس کے نکات: (۱) بچوں کو تولیدی تعلیم (Reproductive Education) کے نام سے جنسی تعلیم دی جائے۔ یہ تعلیم پرائمری سطح سے ہو۔ (۲) کنڈوم کلچر کو رائج کیا جائے۔ ہر جگہ سے کنڈوم باسانی دستیاب ہو۔ (۳) والدین بچوں کے جنسی عمل میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ بالفاظ دیگر بچوں کو زنا کے عملی مواقع مہیا کئے جائیں۔ (۴) اسقاط حمل قانوناً جائز ہو۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کو کمزور، ذلیل اور بے غیرت بنانے کے نت نئے حربے آزمانے شروع کئے۔ چنانچہ نو آبادیاتی دور سے آج تک مسلم دنیا کی تہذیب، ثقافت، مذہبی و اخلاقی اقدار پر جتنے بھی حملے کئے گئے ہیں، یہ تازہ حملے ان سب پر بازی لے گئے ہیں۔ کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں کہ بہبود آبادی کے نام پر قاہرہ [۳] میں جو کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے لئے اسلامی ملک کا انتخاب کیوں کیا گیا اور اب بیجنگ کانفرنس کے نکات ترتیب وار دیکھتے جائیں۔ کیا یہ قاہرہ کانفرنس کے کاز کو آگے بڑھانے کا منصوبہ نہیں۔ اس میں بھی بیگم بے نظیر بھٹو کو صدارت کی پیشکش کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام عالم اسلام میں بدکاری، بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کا عالمی صیہونی منصوبہ ہے۔ کیونکہ مغربی ممالک تو پہلے ہی اس دلدل میں سر تا پا غرق ہیں۔ وہاں زنا کا شکار ہونے والی بیس فیصد لڑکیاں جو بارہ سال کی عمر سے بھی کم ہوتی ہیں، اپنے ہی باپ کی ہوس کا شکار ہوتی ہیں۔ وہ یہی معاشرہ ہمارے ہاں بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس شیطانی منصوبہ کا ہدف یہ ہے کہ پوری دنیا اور بالخصوص مسلم دنیا میں فیملی سسٹم بالکل برباد کردیا جائے۔ شادی نکاح تو مذہب و اخلاق کی پابندیاں ہیں۔ لہٰذا ان تمام اخلاقی و مذہبی اقدار کو ختم کرکے مادر پدر آزاد معاشرہ (جسے انسانی کے بجائے حیوانی معاشرہ کہنا زیادہ موزوں ہے) قائم ہو، کبھی بہبود آبادی کے پر فریب نام سے کبھی مساوات مرد و زن کے دھوکہ سے عورت کو شرم و حیا سے عاری بنایا جائے۔ بچوں کے تعین کا اختیار اس کی اپنی صوابدید پر ہو۔ مانع حمل اشیاء اور ادویات ہر مقام سے بسہولت دستیاب ہوں۔ اسقاطِ حمل کا حق اس کو قانوناً حاصل ہو۔ اس کے لئے اسے گھر سے باہر نکال کر ہر شعبہ زندگی میں گھسیٹ کر لایا جائے۔ بلکہ قانوناً اس کو ہر جگہ ۵۰% کوٹہ (بالفاظ دیگر مکمل اور بھرپور شرکت) کا "حق" دیا جائے، تاکہ وہ گھر کے "حرم اور حفاظت گاہ" سے نکل کر، اندرون خانہ ذمہ داریوں سے آزاد ہوکر ہر جگہ چرتی چگتی پھرے۔ اس آزادانہ شہوت رانی کو سکول کے بچوں کے لئے بھی یقینی بنایا جائے۔ پرائمری سکولوں میں باقاعدہ جنسی تعلیم کا اہتمام ہو۔ سکولوں، دفتروں، فیکٹریوں غرض ہر جگہ کنڈوم کا بندوبست ہو۔ پھر اس آزادانہ جنس پرستی میں ہم جنس پرست کو بھی قانونی تحفظ دیا جائے۔ [۴]

۴۔ ہمارے ہاں سے جو خواتین سرکاری اور غیر سرکاری طور پر اس کانفرنس میں شرکت کر رہی ہیں۔ وہ ذرا یہ تو بتائیں کہ بیجنگ کانفرنس کے پورے ایجنڈے میں سے کون سا نکتہ پاکستانی خاتون کے مسائل کا حل ہے۔ نیز وہ ذرا یہ بتادیں کہ وہ پاکستانی خواتین کے کون سے مسائل ساتھ لے کر جارہی ہیں۔ جس کا مطلب حل

محدث — تحقیقی الاسلامی ماہوار کیسے نیز اسلام آباد کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عالمی ادارے بخوبی جانتے ہیں کہ اس پروگرام پر مزاحمت صرف مسلم ممالک کی طرف سے ہوگی۔ لہٰذا وہ مرحلہ وار یہ سارے اقدام حل کرتے نظر آتے ہیں۔ بیک وقت تین اسلامی ملکوں میں انتخابات کے ذریعے تین خواتین کا برسراقتدار آنا (یعنی ترکی، پاکستان، بنگلہ دیش) ـــــ پھر بہبود آبادی کانفرنس کے لئے قاہرہ کا انتخاب اور اس میں پاکستان کی خاتون سربراہ کو صدارت کا منصب دینا۔ پھر بیجنگ (جو چین کا دارالخلافہ ہے، یہاں چین میں بھی مسلم آبادی بہت ہے) میں اس چوتھی عالمی خواتین کانفرنس کا انعقاد، پھر اس میں بھی پاکستان کی خاتون سربراہ کو مہمان خصوصی بنا کر ـــــ اس مزاحمت کو توڑا جارہا ہے۔

دین اسلام تو دین فطرت ہے۔ مرد و عورت کے درمیان جو صنفی، جسمانی اور نفسیاتی فرق ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر اسلام نے ہمیں بہترین عائلی نظام دیا ہے۔ عورت کے شخصی و ذاتی حقوق تو مرد کے برابر ہیں مگر دائرہ کار کی جو تقسیم اسلام نے مقرر فرمائی ہے، وہ عورت و مرد کے فطری اور جسمانی و نفسیاتی فرق کو ملحوظ رکھ کر ہی فرمائی ہے۔ خالق کائنات اپنی مخلوق کی فطرت، اس کی بہتری اور فلاح کو خود انسان سے بہتر جانتا ہے۔ جب بھی معاشرتی نظام میں عورت ماں اور بیوی کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے سے انکار کرے گی، تو نتیجہ زبردست تباہی و ہولناکی کی شکل میں برآمد ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اسلام کے نکاح و طلاق کے قوانین، زنا اور اختلاط مرد و زن کی ممانعت، اسقاط حمل کی ممانعت، بے حیائی پھیلانے کی ممانعت، پھر مالی لحاظ سے عورت کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ڈال کر اسلام نے عورت کو بہترین حقوق عطا کردیئے ہیں۔

یہ مسلمان پاکستانی خواتین جو دنیا بھر کے تمام معاشروں سے زیادہ اپنے گھروں میں خود مختار اور اپنے گھروں کی ملکہ ہیں اور مرد اپنی کمائی لاکر عورت کے حوالے کردیتے ہیں۔ اور پھر گھر کے اکثر فیصلے خواتین خود کرتی ہیں۔ یہ خواتین جب عورتوں کے حقوق کی بات کرتی ہیں تو بہت افسوس ہوتا ہے۔ مغربی خاتون کا معاملہ تو دوسرا ہے۔ جو پہلے ذلت کی ایک انتہا پر تھی۔ جب وہ آزاد ہوئی تو دوسری انتہا پر پہنچ گئی۔ مگر مسلمان خواتین کو اس بے حیائی کی دلدل میں کودنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں تو چودہ سو سال قبل رحمت للعالمین ﷺ نے وہ گراں مایہ حقوق عطا فرما دیئے تھے جو فی الواقع محسنِ نسواں تھے۔ کیا ہماری خواتین کو آج مغربی دھوکہ بازوں کے روپ میں کوئی اور محسنِ نسواں نظر آگیا ہے؟ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج بیشتر مسلم ممالک میں جہالت اور ناخواندگی ہے۔ جس کی وجہ سے عورتوں کو اپنے حقوق کا شعور نہیں۔ وہ مردانہ تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔ ان کا دامنِ عصمت مردوں کے ہاتھوں تار تار ہوجاتا ہے۔ وہ غربت اور بیماری کے ہاتھوں پریشان ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خواتین کے آج یہی فی الواقع مسائل ہیں۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ اسلامی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

تعلیمات کو عام کیا جائے۔ عورتوں کو ان کے حقوق و فرائض کا صحیح شعور دیا جائے۔ ماؤں کی خدمت اور بیویوں سے حسن سلوک کی قرآنی و نبوی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ تاکہ مرد عورتوں کا استحصال نہ کرسکیں۔ عورتوں کے خصوصی صحت کے مراکز قائم کئے جائیں۔ ہمیں خواتین کو اسلام کے دیئے گئے ان حقوق کو اپنے معاشروں میں نافذ کرنے کی ضرورت ہے، ان کے عدم نفاذ سے مخالفِ اسلام لوگوں کو یہ کہنے کی گنجائش ملتی ہے کہ مسلم خواتین کو بھی اسی طرح اپنے لئے حقوق کی جنگ لڑنی پڑے گی، جس طرح مغربی خواتین اپنے لئے تحریک چلا رہی ہیں۔

کیونکہ وہ طبقہ جو عورت کے نام نہاد حقوق اور ترقی و مساوات کی بات کرتا ہے۔ وہ عورت کے خلاف ہونے والے انہی مظالم، اسی جہالت، صحت و صفائی کی حالتِ زار اور اس کے حقوق کی دہائی دے کر پاکستانی عورت کو مغربی عورت کی نقالی میں بے حیائی اور پستی کے اتھاہ کنوئیں میں دھکیلنا چاہتا ہے۔ بیجنگ کانفرنس کا ایجنڈہ ہمارے علماء اور دانشواروں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ حکومت سے اس کی مزاحمت کی توقع عبث ہے۔ جس طرح اس نے معاشرہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود قاہرہ کانفرنس میں شرکت کی اور پھر بعد میں اس کے لائحہ عمل کے پیش نظر ملک بھر میں آٹھ سو کے قریب "بہبود آبادی" کے مراکز کھول دیئے۔ بالکل اسی طرح اب عورت کی عزت اور عصمت کو ڈبونے کے شیطانی منصوبہ میں شرکت کے بعد وہ مکمل طور پر اس کے لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونے کے لئے سرکاری سطح پر بھرپور تحریک چلائیں گے۔

اس موقعہ پر ملی یکجہتی کونسل نے حکومت سے اس کانفرنس کے مکمل بائیکاٹ کا مطالبہ کیا ہے۔ کہ یہ اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ہے۔ سینیٹر سمیع الحق نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ "بیجنگ کانفرنس لادینی اور اسلام دشمن ایجنڈے کے مطابق منعقد کی جارہی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس میں عورتوں کو ہم جنس پرستی اور اسقاطِ حمل کی آزادی دلانے کے مطالبے تذلیلِ نسواں بلکہ تذلیلِ انسانیت کے مطالبے ہیں۔ اقوام متحدہ اپنی حدود سے بہت آگے بڑھ رہی ہے۔ وہ مسلم ممالک کی فقہ بھی ترتیب دینے لگی ہے۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود متعین کرنے کا کام بزعم خود اس نے سنبھال لیا ہے۔ اس طرح وہ عالمگیر یہودی ریاست کی تکمیل کے خواب کو بروئے کار لانا چاہتی ہے۔ اس موقع پر علماء، دانشور اور ہر صاحبِ شعور کا فرض ہے کہ وہ عوام کو ان اسلام دشمن اور عورت دشمن منصوبوں کے ناپاک عزائم سے آگاہ رکھیں۔ اور ایسی کانفرنس کے بائیکاٹ کے لئے وہ بھرپور مہم چلائیں کہ یہ ناپاک عزائم اپنی موت آپ مرجائیں۔ بلکہ مسلم ممالک کو ان کا صحیح تشخص اجاگر کرنے پر آمادہ کردیں۔ اللہ کرے خیر و شر کے اس تصادم میں خیر اُبھرے اور کشمیر، بوسنیا، چیچنیا کے پس منظر میں مسلمانوں کو سچا

مسلمان بننے کی توفیق عطا کرے۔

اس کانفرنس میں شرکت تو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ

"یہودی اور عیسائی ہرگز تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگ جاؤ۔ صاف کہہ دو کہ رستہ وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ وگرنہ اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے پاس نہیں ہے۔" (بقرہ:۱۲۰)

ہمیں اپنا لائحہ عمل اسی آیت کی روشنی میں طے کرنا ہے۔ وگرنہ اللہ کے غضب سے مسلمانوں کو بچانے والا کون ہے؟ —— (اُمِّ قاسم)

ضروری وضاحت: زیر نظر شمارہ جلد ۲۶ کا عدد ۱۱، ۱۲ اور جلد ۲۷ کا عدد نمبر ۱ ہے لہٰذا ربیع الاول تا جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ بمطابق اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء پر مشتمل ہے

کشمیر کے مجاہدوں سے خطاب

یقین رحمت پروردگار میں رکھنا — امید خیر دل بے قرار میں رکھنا
عدو ہے سخت بہ ظاہر ضعیف تم ہو مگر — کرم خدا کا بھی اپنی شمار میں رکھنا
لہو سے اپنے سنوارے ہیں تم نے کوہ و دمن — لہو کا رنگ ہر اک جوئبار میں رکھنا
عدو کے قافلے پیہم گزرتے رہتے ہیں — مزاحمت کو ہر ایک رہگذار میں رکھنا
چمن تمہارے اجاڑے ہیں دشمن جان نے — جگر کے خون کی نمی لالہ زار میں رکھنا
تمہارے خون کے چھینٹوں نے کی ہے گلکاری — جگر کا خون بھی شامل، بہار میں رکھنا
چمن کھلا ہے تمہارا، تمہاری خوشبو سے — مقام اپنا اسی مرغزار میں رکھنا
عدو کے جبر سے ہجرت، وطن سے خوب نہیں — نشان قدموں کے اپنے، دیار میں رکھنا

دعائیں کرتا ہے اسرار دل سے ہر لمحہ
سکون تم بھی دل سوگوار میں رکھنا!

اسرار احمد سعادری

کتاب و حکمت

مولانا عبدالغفار حسن (مترجم)

تفسیری افادات ـــــ از حافظ ابن قیمؒ

راقم الحروف، طالب علمی کے زمانہ سے امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے مطالعہ کا شیدائی رہا ہے، خاص طور پر حافظ ابن قیم کے تفسیری نکات نے بہت زیادہ متاثر کیا۔

آج سے پچاس سال قبل جب کہ میں مالیر کوٹلہ میں مدرسہ کوثر العلم میں مدرّس تھا، یہ کوشش کرتا رہا کہ حافظ ابن قیم کی تمام تصانیف جمع کی جائیں اور ان میں سے تفسیری اجزا علیحدہ کرکے ان کا ترجمہ یا تلخیص کردی جائے۔ اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کئی تصانیف میں سے تفسیری مباحث کا ترجمہ کیا گیا۔ زیادہ تر بدائع الفوائد کے چار اجزا میں سے تفسیری نکات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

ظاہر بات ہے، یہ ترجمہ پچاس سال پہلے کا ہے، ہوسکتا ہے کہ کہیں ترجمہ میں روانی محسوس نہ ہو یا کہیں جھول نظر آئے یا ترجمہ غلط ہوجائے۔ اس لئے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ جہاں کہیں وہ ترجمہ میں غلطی محسوس کریں تو الدین النصیحۃ کے مطابق اپنی تصحیح سے مطلع فرمائیں۔

واضح رہے کہ اس ترجمہ کے کافی عرصہ کے بعد ایک کتاب "التفسیر القیم" کے نام سے جس میں مولانا محمد اویس ندوی مرحوم نے تمام تفسیری عبارات ابن قیم کی مختلف تصانیف سے انتخاب کرکے یکجا کردی ہیں دستیاب ہوئی۔ ان تفسیری افادات کے مطالعہ سے اچھا خاصہ تفسیری ذوق پیدا ہوسکتا ہے اور سلف صالحین کے طریقہ کار کے دائرہ میں رہتے ہوئے فہم قرآن کا ذوق حاصل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور توشہ آخرت بنائے۔ (مترجم)

تفسیر النصف الآخر من سورۃ الفاتحۃ

چند سوالات

سوال ۱: ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں یہ فقرہ بدل واقع ہوا ہے۔ جس سے صراط مستقیم کی تشریح و توضیح مقصود ہے۔ لیکن یہاں تو مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے حضور میں اس کی وضاحت کی ضرورت ہی کیا ہے؟

magazine.mohaddis.com

○ جواب: اس آیت کا نزول بندوں کی تعلیم کے لئے ہوا ہے۔ یہاں یہ جتلانا مقصود ہے کہ دعا کرنے والے کو دعا کے وقت اس امر کا احساس و خیال ہونا چاہئے کہ کس قسم کا عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔ جس سے اس کے عقیدۂ ایمان کی پرورش کامل طور پر ہوسکے۔ کیونکہ دعا، عبادت کا مغز ہے اور مغز ہڈی میں ہوتا ہے اور ہڈی گوشت و خون میں ہوتی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عقیدہ ایمان کا تصور دعاء کے وقت ضروری ہے تو یہ امر بھی لازم ہوگیا کہ خدا سے طلب، التماس اور سوال حمد و ثناء کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں طلبِ ہدایت کے الفاظ ہیں، خیر و سعادت کی آمیزش بھی ہے۔ گویا داعی اس طرح اپنے اعتقاد کو بھی ظاہر کر رہا ہے اور ساتھ ہی اس صحیح عقیدے کے ذریعہ کہ راہ حق وہ صراط مستقیم ہی ہے اور یہ بھی کہ یہ راہ ان لوگوں کی ہے جن کو خدا نے اپنی نعمت و رحمت سے نوازا ہے، داعی خدا کے حضور میں پہنچنا چاہتا ہے۔ جب بندہ ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ کہتا ہے اور مخالفینِ حق کو بھی یہی کہتے ہوئے سنتا ہے کہ ہم بھی حق پر ہیں۔ تو ایسے وقت میں بندے پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ ان کے خلاف عقیدہ رکھے اور اس حق کے ظاہر کرنے کی کوشش کرے جو واقعی حق ہے۔ اس لئے ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ ﴾ بطورِ بدل وضاحت کے لئے لایا گیا ہے تاکہ زبان بھی اس حق کے اظہار کی عادی ہوجائے۔ جو دل میں پیوست ہے۔ یہ اہم دعا دو بڑے فائدوں پر مشتمل ہے:

۱۔ فائدۃ الخبر، یعنی رستہ کی استقامت کے بارے میں خبر دینا اور یہ بتلانا کہ یہ رستہ وہی ہے جو اس نے اپنے اہل نعمت کے ساتھ خاص کیا ہے۔

۲۔ لازم فائدۃ الخبر، یعنی داعی خود اس راہ کی استقامت (سیدھے ہونے) کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس اقرار کے بعد اپنے رب سے قرب چاہتا ہے۔

الحاصل یہ آیات چار فوائد پر مشتمل ہیں:

۱۔ اس راہِ مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا مانگنا۔

۲۔ اس دعا کے ذریعہ رستہ کی استقامت کی خبر دینا۔

۳۔ اس استقامت کی تصدیق و اعتراف۔

۴۔ اس تصدیق کے ذریعہ خدا سے قرب حاصل کرنا۔

پانچواں فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یہ بندہ اس کا محتاج ہے اور یہ کہ نجات و سعادت کا دارومدار محض اسی کی ذات پر ہے۔ ایسی صورت میں بندہ پر لازم آتا ہے کہ جو کچھ وہ طلب کرتا ہے اس پر غور کرے۔ اور معانی کے فہم و تدبر میں پوری

کوشش صرف کردے۔ یہاں "الصراط" کے وہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں کہ اگر بندہ ان پر غور کرے، اور کامل توجہ سے کام لے۔ تو اس سوال و طلب کی رغبت و حرص میں مزید اضافہ ہو جائے۔ اور اس سے اپنے آپ کو کبھی بھی بے نیاز نہ پائے۔

سوال ۲: "الصراط" پر اَلْ تعریف کے لئے کیوں لایا گیا ہے۔ نکرہ لانے میں کیا قباحت تھی؟

○ جواب: عربی بلاغت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب موصوف پر الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ موصوف اس صفت کا زیادہ حقدار ہے۔

حدیث میں ہے "انت الحق ووعدك الحق وقولك الحق" اخیر میں فرمایا "والجنة حق والنار حق" مذکورہ بالا قاعدہ کی روشنی میں اس روایت کے الفاظ میں غور و فکر کریں۔ ایسی اشیاء کے ناموں کے بعد حق پر الف لام نہیں لایا گیا ہے جو غیر قدیم (حادث) ہیں یعنی جنت اور جہنم لیکن اسم رب، اس کے وعدہ اور کلام کے بعد حق پر اَلْ لایا گیا ہے۔

اگر اھدنا صراطا مستقیما کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ ایک غیر معین رستہ کی طرف ہدایت کردے۔ حالانکہ یہاں وہ معین رستہ مراد ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لئے بنایا ہے۔ اور اسی راہ پر چل کر انسان اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ حق وہی دین حق ہے جس کے علاوہ کوئی دین بھی صحیح معنوں میں دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ یہی دین ہے جو ایک جانا بوجھا راز ہے۔ جس کی معرفت، تصدیق اور تمام غلط راہوں سے اس کی امتیازی شان دل میں سمائی ہوئی ہے۔ اسی بنا پر صراط کو یہاں معرفہ لایا گیا ہے۔

سوال ۳: مندرجہ ذیل آیات میں صراط کو نکرہ کیوں لایا گیا ہے:

(۱) ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴾ (الفتح:۲)

(۲) ﴿ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

(۳) ﴿ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (الانعام:۶۷)

(۴) ﴿ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (الانعام:۱۶)

○ جواب: ان سب آیات کا حل ایک ہی ہے۔ ان آیات میں جملہ خبریہ مستعمل ہے۔ صراط مستقیم کے بارے میں خبر دی جاری ہے۔ طلب و سوال مقصود نہیں ہے۔ الف لام کو وہاں لایا جاتا ہے جہاں عبارت میں پہلے اس کا ذکر آچکا ہو یا مخاطب کو پہلے سے علم ہو۔ یہاں دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا نکرہ لایا گیا ہے۔ اسم کی اصل حالت تنکیر (نکرہ لانا) ہی ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں معاملہ ہی دوسرا ہے۔ جب مومنین کے نزدیک ایک بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک صراط مستقیم ہے۔ جس کی طرف اس نے اپنے پیغمبروں کو ہدایت فرمائی ہے تو اب

magazine.mohaddis.com

دعا کے مقام پر یہ امر واضح ہے کہ جس سے ہدایت طلب کی جارہی ہے، وہ ہی "الصراط" کا علم رکھتا ہے۔ یہاں الف لام کا لانا عجیب لطافت و حکمت پر مبنی ہے۔ اس مقام پر امام سہیلیؒ نے دوسری توجیہ کی ہے جس کو مصنفؒ نے کمزور قرار دیا ہے۔

سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کی تفسیر

غور کریں: رب تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم الرسل ﷺ کے لئے سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات میں پانچ قسم کے عطیات کو بیان فرمایا ہے:

۱۔ روشن اور ممتاز فتح و کامیابی
۲۔ اگلی اور پچھلی لغزشوں کی معافی
۳۔ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت
۴۔ رسول اللہ ﷺ پر اپنی نعمت کی تکمیل
۵۔ کامل نصرت و تائید کی بخشش

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے نبی ﷺ کے لئے ہدایت و نصرت دونوں کو جمع کردیا ہے۔ ان دونوں ہی کے ذریعہ فلاح و سعادت کمال کو پہنچتی ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے دین کا علم اور اس کی اطاعت کا نام ہے۔ اسی کو علم صالح اور عمل نافع بھی کہہ سکتے ہیں۔

"نصر" سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کو جاری اور نافذ کرنے کی پوری قدرت حاصل ہو۔ یہ نصرت (مدد) دو قسم کی ہے:

۱۔ برہان، حجت، قوتِ بیان، دلائل: اس صورت میں دلوں کو مغلوب و تابع کیا جاتا ہے۔
۲۔ تیغ و سنان اور ظاہری اسلحہ: ان کے ذریعے انسانی اجسام کو شکست دی جاسکتی ہے۔

قرآن نے ان دونوں اصولوں کو متعدد جگہ یکجا بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ذریعہ ہی دین کی تکمیل اور غلبہ دین حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾
(سورۂ توبہ: ۳۳)

"یعنی خدا وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا، ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے"۔

سورۂ حدید میں فرمایا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (الحدید: ۲۵)

magazine.mohaddis.com

"بے شک ہم نے بھیجا رسولوں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ۔ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو اتارا۔ تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم ہو جائیں"

یہاں الکتاب سے مراد ہدایت ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾

"اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں"

یہاں الحدید سے مراد مادی قوتیں اور اسلحہ ہے۔ اس آیت میں بھی ہدایت (الکتاب) اور نصرت (الحدید) کو یکجا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی ابتداء میں ہے:

﴿ الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾

"اللہ ہی اکیلا معبود ہے، وہ زندہ اور نگران ہے۔ اس نے حق کے ساتھ کتاب کو اتارا، اس طور کہ وہ پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور اس نے تورات و انجیل کو اتارا، اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور الفرقان کو نازل کیا۔"

یہاں ہدایت کے ساتھ الفرقان کو بیان کیا گیا ہے۔ "الفرقان" سے مراد وہ مدد ہے جس کے ذریعے حق و باطل میں فرق کیا جاسکے۔ یہاں ہدایت و نصرت کو یکجا اس لئے لایا گیا ہے کہ ان دونوں سے حق و باطل میں پورا پورا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ نے اپنی نصرت و تائید کو فرقان کہا ہے:

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾

"اور جو ہم نے اُتارا اپنے بندے پر فرقان کے دن جب کہ دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی" (الانفال:۴۱)

یوم الفرقان، بدر کا دن ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تائید اور ان کے دشمنوں کی رسوائی سے حق و باطل کے درمیان خطِّ امتیاز کھینچ دیا۔ اور اسی قبیل سے یہ آیت ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾

(الانبیاء:۴۸)

"اور ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو الفرقان، روشنی اور ذکر عطا کیا"

الفرقان سے مراد وہ نصرتِ الٰہی ہے جس کے ذریعے فرعون اور اس کی فوجوں پر غلبہ حاصل ہوا۔ ضیاء اور ذکر سے مراد تورات ہے۔

سوال ۳: صراط کا ماخذ کیا ہے اور اصلی معنی کیا ہیں؟

○ جواب: عربی زبان کا محاورہ ہے: صرطت الشیئ یعنی میں نے اس کو بسہولت نگل لیا۔ رستہ کو صراط اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ گزرنے والے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کر دیتا

magazine.mohaddis.com

ہے۔گویا ان کو نگل جاتا ہے۔ صراط اسی رستہ کو کہیں گے جس میں یہ پانچ اوصاف پائے جائیں:

۱۔ مستقیم (سیدھا) ۲۔ آسان

۳۔ آباد، چلتا پھرتا ۴۔ کشادہ

۵۔ منزل مقصود تک پہنچا دینے والا

ٹیڑھے، دشوار گزار اور بند رستہ کو صراط نہ کہیں گے۔ عربی کلام کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ جریرؒ نے کہا ہے کہ:

امیر المومنین علی صراط اذا أعوج الموارد مستقیم

"جبکہ دوسرے گذرگاہیں کج اور ٹیڑھی ہیں۔ تو امیر المومنین سیدھے رستہ پر ہیں"

صِراط بروزن فِعَال ہے۔ یہ وزن زیادہ تر ان اشیاء کے لئے آتا ہے جو دوسرے پر مشتمل اور چھا جانے والی ہوں۔ رستہ میں چلنے والا اسی طرح اس میں سما جاتا ہے جس طرح کہ حلق میں نگلی ہوئی چیز حلق میں۔ اسی وزن پر یہ الفاظ آتے ہیں۔ ان کے معانی پر غور کریں: لحاف، فراش، خمار، رداء، غطاء، کتاب ـــــ یہ وزن تینوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ مصدر: جیسے قتال، خراب

۲۔ بمعنی مفعول: جیسے کتاب، غراس، بناء

۳۔ بطور آلہ: خمار (اوڑھنی)، غطاء (ڈھکنا)، سداد (ڈاٹ)

یہ الفاظ بطور آلہ کے استعمال ہوتے ہیں اور مفعول اس میں وہ چیز ہے جو ڈھانکی اور اوڑھی جاتی ہے۔ اسی تیسری قسم سے ہے: آلَہ بمعنی مأُلوہ۔ سورۃ الاحقاف میں بجائے صراط کے طریق لایا گیا ہے۔ اس میں ایک خاص نکتہ ہے۔ مکمل آیت یوں ہے:

﴿ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (احقاف:۳۰)

یہاں مؤمن جنوں کا کلام نقل کیا گیا ہے۔ پہلے انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جو کتاب وہ سُن کر آئے ہیں وہ تو ان کی تصدیق ہی کرنے والی ہے۔ گویا انہوں نے ہر طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ﴿ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الاحقاف:۹) کو دہرایا ہے۔ یعنی میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی رسول آچکے ہیں۔ میں ان کی تصدیق اور پیغام کو زندہ کرنے والا ہوں۔ اسی بنا پر انہوں نے لفظ طریق استعمال کیا۔ طریق بمعنی مطروق۔ یعنی پامال چلتا پھرتا آباد رستہ۔ اس پر پہلے بھی انبیاء کرام چل چکے ہیں۔ یہ کوئی اچھوتا اور انوکھا رستہ نہیں ہے۔

magazine.mohaddis.com

ظاہر ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کا پیش کیا ہوا رستہ انوکھا اور نیا نہیں ہے تو مخاطبین کو یہی زیب دیتا ہے کہ جس طرح وہ رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ اسی طرح نبی خاتم الرسل ﷺ پر بھی ایمان لے آئیں۔ لفظ طریق لاکر آنحضور ﷺ کی اتباع کی پر زور تاکید و تنبیہ کر دی گئی۔

سوال ۴: صراط الذین، یہاں الذین مبہم لفظ کیوں لایا گیا۔ کیا صراط النبیین مناسب نہ تھا؟

○جواب: اس طرز بیان سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انعام یافتہ ہونا محض اس بنا پر ہے کہ وہ صراطِ مستقیم کو پا چکے ہیں۔ اس قسم کا اندازِ بیان قرآن مجید میں بہت سی آیات میں ملے گا۔ اس کا نام تعلیق الحکم بالصّلہ ..... اس میں جو لطافت ہے وہ صراحۃً نام ذکر کر دینے میں نہیں ہے، مطلب یہ ہوا کہ انعام اس بنا پر ہے کہ وہ راہِ ہدایت پر چل رہے تھے۔ حسبِ ذیل آیات میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ـــــ ﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ ـــــ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾

فائدہ: اس آیت میں دل سے تقلید کا ازالہ اور یہ یقین دلانا ہے کہ جس نے اس ہدایت کی طرف راہ پالی، وہ انعام الٰہی کا حقدار ہو گیا۔ یہاں سائل اللہ تعالیٰ سے ہدایت و انعام کا طالب ہے۔ یہی سوال اس کے ذہن میں پرورش پا رہا ہے۔

ذکر کئے گئے پہلے فوائد کی طرف نظر کریں تو معلوم ہو گا کہ فائدہ نمبر ۱ کا منشا یہ تھا کہ اہل ہدایت انعام یافتہ ہیں۔ اور فائدہ نمبر ۲ سے مقصود ہدایت کی طلب اور سوال ہے۔ فائدہ نمبر ۳ الذین انعمت علیہم، انعام یافتہ لوگوں کے تمام طبقات کو شامل ہے۔ کسی اسم خاص کے لانے سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ الذین سے مراد انبیاء کرام، صدیقین، صالحین، شہداء سب ہیں۔ یہ سوال نہایت اہم ہے، اور یہ مطلوب نہایت ہی شاندار مطلوب ہے۔ اگر دعا کرنے والا اس دعا کی اہمیت اور عظمت کو پہچان لے تو اس کا ایک سانس بھی اس سے خالی نہ جائے۔ اس سوال نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو سمیٹ لیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دن رات میں اس کا بار بار دہرانا فرض کیا ہے۔ کوئی دوسری سورت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

سوال ۵: "مغضوب علیہم" کے وزن پر منعم علیہم کیوں نہ کہا گیا۔ اَنْعَمْتَ لانے میں کیا حکمت ہے؟

○جواب: قرآن حکیم کا یہ معلوم و معروف اندازِ بیان ہے کہ خیر و احسان اور جود و کرم کے افعال کو صراحۃً براہِ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور جزا اور انتقام کے افعال کے واسطے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فاعل کو ذکر کئے بغیر صیغہ مجہول لاتا ہے۔ ادب و احترام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہی اسلوب اس آیت میں بھی برتا گیا ہے۔ فعل انعام کی نسبت صراحۃً خدا کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے بیان میں فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا۔

قرآنی شواہد

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ، وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ، وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴾ (الشعراء:۸۰)

"وہ خدا جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو ہدایت دیتا ہے اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے"

ان آیات میں پیدا کرنے اور ہدایت دینے اور کھلانے پلانے کی نسبت حضرت خلیل علیہ السلام نے خدا کی طرف کی ہے۔ اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا: مَرِضْتُ کہا، اَمْرَضُ نہیں کہا۔ (یعنی وہ مجھ کو بیمار کرتا ہے)

۲۔ مومن جنوں کا قول قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

﴿ وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾

"اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی چاہی ہے" (الجن:۱۰)

یہاں ارادہ رُشد کے فاعل کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ارادہ شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی گئی۔

۳۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا ﴾ (الکہف:۷۹)

میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار بنادوں۔

یہاں کشتی کو عیب دار کرنے کی خواہش کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر یتیم بچوں کے قصہ میں فعل خیر کے ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے:

﴿ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾

"پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ تیرے رب کی رحمت کی بنا پر ایسا ہوا"

۴۔ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ﴾

اُحِلَّ صیغہ مجہول اس لئے استعمال کیا ہے کہ رفث (جماع) کے ساتھ فاعل کی تصریح مناسب نہ

مجلس التحقیق الاسلامی اس زیر نگرانی شائع کیا گیا ہے اسلامی فقہ (حنفی) اور محدث فقہ

تھی۔ لیکن ﴿ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ یہاں اس قسم کی قباحت نہ تھی اسی انداز پر حسب ذیل آیات کو پڑھیں اور ان پر غور کریں:

۱۔ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ ﴾ (المائدہ:۳)

۲۔ ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ ﴾ (الانعام:۱۵۱)

۳۔ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ ﴾ (النساء:۲۳)

۴۔ ﴿ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ ﴾ (النساء:۲۴)

۵۔ ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ ﴾ (النساء:۱۶۰)

آخری اس آیت میں تحریم کے فاعل کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے۔ مگر مومنین کے حق میں یوں کہا گیا ہے۔ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ ﴾

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے انعام سے سرفراز فرمایا، اس بنا پر اس کا شکر مومنوں پر واجب ہے۔ شکر کی صورت یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو ذکر کیا جائے اور اس کی اطاعت میں سرگرم رہا جائے۔ اس شکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس ضمیر کو بھی ظاہر کر دیا جائے۔ جس کے بیان سے منعم حقیقی کا ذکر زبان پر آجاتا ہے، اسی بنا پر انعمت علیہم کو منعم علیہم پر فوقیت حاصل ہوئی۔ یہ کلام توحید کی دو بنیادوں ذکر و شکر پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ﴾ (سورۃ البقرہ:۱۵۲)

"تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکر کرو اور میری ناشکری مت کرو"

تیسری وجہ: ہدایت کا انعام صرف خدا کی طرف سے ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ خصوصیت کے ساتھ ضمیر واحد کے ذریعہ اس حقیقت کو بے نقاب کیا جاتا۔ یعنی تو ہی تنہا اس نعمت کا مالک ہے اور بخشنے والا ہے۔ لیکن غضب کا معاملہ دوسرا ہے۔ اللہ خود صراطِ مستقیم سے ہٹنے والوں پر غصہ ہوا، اور اس نے اپنے صالحین بندوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اس کی پیروی میں ان پر غضب ناک ہوں۔ بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رب جس سے راضی ہو اس سے بندہ بھی خوش اور رب جس سے ناراض ہو۔ مومنین کی بھی یہی شان ہے کہ وہ ان سے ناراض ہوں، اس لئے یہاں فاعل کا ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس غضب میں صالحین بھی حصہ دار ہیں۔ بخلاف انعام کے وہ محض اللہ کے ساتھ خاص ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

چوتھی وجہ: مغضوب علیہم کی حیثیت ہی ایسی ہے کہ ان سے اعراض و بے توجہی لازمی ہے۔ اس لئے صرف صفت کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ ان کی ذات کو بتلانا مقصود نہیں ہے۔ لیکن اہل نعمت کے ذکر میں ان کی ذات سرتاپا ہدایت کی طرف بھی اشارہ ضروری تھا۔ اس لئے الذین

magazine.mohaddis.com

لایا گیا ہے۔ المغضوب میں اَلْ بھی الذین کے معنی میں ہے۔ لیکن وہ بات کہاں جو الذین کو صراحۃً لانے میں ہے۔

سوال ۷: کیا وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں اِھْدِنَا کا تعلق مفعول الصراط کی طرف براہِ راست ہے۔ لیکن دوسری آیات میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں حروفِ جارہ لام اور الی کا ذکر بھی موجود ہے۔

○ جواب: فعلِ ہدایت کا تعلق اپنے مفعول سے کبھی براہِ راست ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ ل یا الی ہوتا ہے۔ یہ تینوں صورتیں قرآن میں مذکور ہیں۔ براہِ راست کی مثال ایک تو یہی آیت ہے۔

دوسری ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴾ ـــــ بواسطہ الی، جیسے:

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

بواسطہ "ل" جیسے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ (الاسراء:۹)

انداز بیان کا یہ فرق ایک خاص قاعدہ کے ماتحت ہے۔ جب کسی فعل کا استعمال متعدد حروفِ جارہ کے ساتھ ہوتا ہے تو ہر ایک حرفِ جر کے ساتھ ایک خاص معنی ہوں گے جو دوسرے حرف جر لانے کی صورت میں مراد نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ حروف کے معانی مختلف ہیں۔ مثلاً رغبتُ فیہ، رغبتُ الیہ اور عدلتُ الیہ، اور عدلتُ منہ میں فرق ہوگا۔ اس معنوی اختلاف کو نہ سمجھنے سے آیات کا فرق ملحوظ نہیں رہ سکتا۔ اور ظاہر بین نحویوں نے ھَدَیْتُ لکذا اور الی کذا کو ایک جیسا قرار دے دیا۔ لیکن فقہاءِ اہل عربیت اس سطحیت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ فعل کے معنی ہر ایک حرف کے ساتھ الگ متعین کرتے ہیں اور دوسرے حرف کا ساتھ دوسرے معنی مراد لیتے ہیں۔ پھر وہ اس نام اور اس فعل کو نگاہ میں رکھتے ہیں جس کو اس حرف سے مناسبت اور لگاؤ ہے۔ پھر دوسرے فعل کو پہلے فعل کے معنی پہنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ سیبویہ اور اس کے اصحاب کا طریقہ ہے جو بغیر لطافتِ ذہنی کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ مثال سے سمجھیں: قرآن میں ہے ﴿ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ ﴾ یہاں یَشْرَبُ کو یَرْوِیْ کے معنی پہنائے گئے ہیں۔ اس لئے یہاں باء کو لایا گیا ہے۔ جو کہ یروی کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ اس مختصر طریقے سے ایک فعل یشرب کا ذکر صراحۃً اور دوسرے فعل کا اشارۃً ہوگیا۔ یَشْرَبُ بِهَا، یَشْرَبُ مِنْهَا سے کہیں زیادہ لطافت و فصاحت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں رَیّ (سیرابی) کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ اگر صرف یروی بھا کہا جاتا تو شرب کے معنی ظاہر نہ ہوتے۔ یشرب بھا سے دونوں باتیں حاصل ہوگئیں۔

اسی اصول کے ماتحت یہ آیت بھی ہے: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ

اَلِیْمٍ ﴾ ..... (الحج:۲۵) ـــــ فعل ارادہ کا استعمال باء کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ یہاں ھَمَّ کے معنی یُرِدْ کو پہنائے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ محض ھَم (نیم پختہ ارادہ) بھی اگر الحاد کا ہو جائے تب بھی عذاب کا سزاوار ہوگا۔ اس قاعدے اور نظائر و شواہد کو جان لینے کے بعد اصل مقام پر غور کریں۔ لفظ ہدایت کا استعمال جب الی کے ساتھ ہوگا۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اور جب "ل" آئے گا تب معنی ہوں گے کسی شے یا شخص کو مطلوب کے ساتھ خاص کر دینا۔ کہا کرتے ہیں کہ "ھدیتہ لکذا یعنی: ذکرتہ لہ، جعلتہ لہ، ھیّأتہ لہ وغیرہ

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ کے معنی ہوں گے کہ قرآن خاص اس رستہ کو بتلاتا ہے جو تمام راستوں سے زیادہ درست ہے۔ (مترجم)

اور جب ہدایت کا تعلق مفعول سے براہ راست ہوگا تو ان میں سے کسی ایک معنی کی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ تمام معنی مراد ہوں گے۔ ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ کہنے کا منشا یہ ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا ہے کہ مجھے سیدھی راہ بتلا دے، اس کو میرے لئے واضح کر دے۔ دل میں اس کا الہام ڈال دے، اور اس پر قادر بنا دے۔ اس راہ کے علم و ارادہ سے سرفراز فرما دے۔ معنی کی یہ وسعت اور جامعیت حرفِ جر نہ لانے سے ہی پیدا ہوئی ہے۔

سوال ۸: اللہ تعالیٰ نے اہل ہدایت ہی کو نعمتوں کے ساتھ خاص کیوں کیا ہے۔ کیا کافر خدا کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے؟

○ جواب: اس بارے میں اہل علم کے دو گروہ ہیں:

۱۔ ایک کا خیال ہے کہ کافر پر اللہ کی نعمت ہی کوئی نہیں ہے۔ اللہ نے خود فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾

"یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جو انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہوں گے" (النساء:۶۹)

اس آیت میں فرمانبرداروں کے لئے انعام یافتہ طبقات کی معیت و رفاقت کو خاص کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار اس سے محروم ہیں۔ نیز فرمایا: ﴿ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ ﴾

"اور تاکہ پوری کر دوں اپنی نعمت تم پر"

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ انعام، سزا اور انتقام کے منافی ہے۔ اس شخص کے لئے کون سی نعمت ہو سکتی ہے جو دائمی عذاب کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

جبکہ دوسرا گروہ، کفار کے لئے نعمت کا قائل ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ (ابراہیم:۳۴)

"اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے"

﴿ يَابَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ (البقرہ:۴۰)

"اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہیں"

یہ خطاب یہود سے ہو رہا ہے جب کہ وہ کفر کی حالت میں تھے۔ سورۂ نحل میں ہے:

﴿ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (النحل:۸۱)

"اللہ اس طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم مسلمان بن جاؤ۔ پھر بھی اگر تم اعراض کرو تو اے نبی تمہارے نبی پر واضح طور سے پیغام پہنچا دینا ہے"

﴿ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (النحل:۸۳)

"اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں۔ پھر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اکثر ان میں سے کافر ہیں"

یہ آیت اس بارے میں نصِّ واضح ہے کہ کافر بھی خدا کی نعمت سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ مومن و کافر سب ہی خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کھلی ہوئی حقیقت کا انکار ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں گروہوں کے درمیان اعتدال و میانہ روی کی راہ یہ بتلائی ہے کہ کامل نعمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں کوئی کافر ان کا شریک نہیں ہے۔ باقی رہی مطلق نعمت یعنی نعمتوں میں سے کچھ حصہ تو اس میں مومن و کافر سب شریک ہیں۔ نعمتِ کاملہ اور رحمتِ تامہ کا دامن ابدی سعادت اور دائمی راحت سے بندھا ہوا ہے۔ یہ غیر مشترک اور مخصوص ہے اور مطلق نعمت سے ساری مخلوق بلا تخصیص فائدہ اٹھاتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ﴿ يَابَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا ﴾ میں اللہ تعالیٰ یہود کو وہ نعمتیں یاد دلا رہا ہے جو اس کے آباء و اجداد پر نازل ہوئیں۔ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کرکے اپنی نعمتوں کا شمار کیا ہے: فرعون سے نجات، سمندر میں رستہ بن جانا، موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ، ان کے بعد بنی اسرائیل کی گمراہی، پھر توبہ اور معافی، بادلوں کا سایہ، من و سلویٰ کا اُترنا وغیرہ وغیرہ۔ ان نعمتوں کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہود ایمان و اطاعت پر آمادہ ہو جائیں اور خدا کی نافرمانی سے باز رہیں ورنہ وہی حشر ان کا بھی ہوگا جو ان کے اسلاف کا ہو چکا ہے۔ ان کے اسلاف پر انعام، ان پر انعام کے ہم معنی ہے۔ اس لئے ان پر بھی شکر لازم ہے۔ اب بجائے شکر کے کفر اور بجائے تصدیق کے تکذیب و عداوت اختیار کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ بہرحال یہاں حالتِ کفر میں نعمتِ کاملہ مراد نہیں ہو سکتی۔

سوال ۹: غیر المغضوب علیھم کے بجائے لا المغضوب علیھم کیوں نہیں کہا گیا؟

○جواب: اصل میں لا کا استعمال اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ کہا کرتے ہیں:

جاءنی العالم لا الجاهل "میرے پاس عالم آیا، جاہل نہیں آیا"

لا عطف کے لئے آتا ہے۔ لیکن غیر، اپنے ماقبل کا تابع ہوتا ہے اس میں وصفی معنی پائے جاتے ہیں اور لا کے ہم معنی نہیں ہے۔ یہاں عطف کے بجائے صفت کے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ عطف اور وصف کے فرق کو سمجھ لینے سے اس آیت کی لطافت واضح ہو جائے گی۔ لا المغضوب علیهم کے معنی اس سے زیادہ نہ ہوں گے کہ مغضوب علیهم سے صراط کی نسبت سلب کرلی جائے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: جاءنی العالم لا الجاهل ـــــ اس کے معنی بس اتنے ہی ہیں کہ عالم کے لئے مجئی (آنا) ثابت اور جاہل سے اس فعل کی نفی کردی جائے۔ مگر غیر اپنے سے پہلے کلمہ کی صفت ہوتا ہے۔ اس طرز بیان سے دو وصف حاصل ہوئے۔ ایک وصف ثبوتی (منعم علیهم) دوسرا سلبی غیر المغضوب علیهم۔ لا کے ذریعہ جو فائدہ حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی حاصل ہو گیا اور ساتھ ہی مزید حمد و ثنا ثابت ہو گئی۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل ایمان غضب والوں سے قطعاً مختلف ہیں، وہ غضب کے مستحق نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر یہاں بطور صفت کے لایا گیا ہے نہ کہ بصورتِ استثناء۔ دوسری حالت میں وصفی معنی فوت ہو جاتے جو کہ اصل مقصود ہیں۔

دوسرا فائدہ: اہل کتاب یہود و نصاریٰ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ہی انعام یافتہ ہیں، مسلمان نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ انعام یافتہ تم نہیں بلکہ تمہارے غیر ہیں۔ اور مسلمانوں سے خطاب ہے کہ نعمت والے تم ہو نہ کہ تمہارے غیر۔ یہاں لفظ غیر پوری طرح مغائرت (اجنبیت) کو بتلا رہا ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا صراحۃً نام نہیں لیا گیا ہے۔ ان کے وصف کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ان کی صفات مغضوبیت و ضلالت کو بے نقاب کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کہ ان کی راہ، انعام یافتہ مومنین کی راہ سے بالکل الگ ہے۔ اس لئے کہ انعامِ کامل، غضب و ضلال کے یکسر منافی ہے۔ یہ انعام کامل کسی مغضوب علیہ اور ضال کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا۔

سوال ۱۰: غیر باوجود اضافت کے نکرہ ہی رہتا ہے۔ اس کو الذین (معرفہ) کی صفت کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

○جواب: اس اعتراض کے کئی جواب دیئے جاسکتے ہیں۔ جن کا تذکرہ آئندہ صفحہ پر آئے گا۔ بعض لوگوں نے غیر کو بدل بھی بنایا ہے جو درست نہیں۔ بدل بنانا تین وجوہ سے درست نہیں، پہلی وجہ یہ ہے:

۱۔ مبدل منہ (متبوع) اور بدل (تابع) ـــــ ان دونوں میں سے دوسرا اسم اصل

magazine.mohaddis.com

مقصود ہوتا ہے۔ اور پہلا اسم بطور تمہید لایا جاتا ہے۔ مثلاً:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران:۹۷)

"اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، ان پر جو رستہ کی استطاعت رکھتے ہیں"

یہاں من استطاع بدل واقع ہے اصل مقصود یہی ہے۔ الناس محض تمہید کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ:

أعجبني زيد علمه ـــــ یعنی مجھے زید، اس کے علم نے لبھالیا۔

یہاں اصل مقصود علمہٗ ہے۔ زید صرف تمہید اذکور ہے۔ اسی انداز پر یہ دو آیتیں ہیں:

﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ﴾ (البقرہ:۲۱۷)

"وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں حرمت والے مہینے، اس میں لڑائی کے بارے میں"

یہاں سوال قتال سے ہے نہ کہ محض شہر حرام سے۔ یہاں اصل مطلوب قتال ہے نہ کہ الشهر الحرام ـــــ اسی طرح فرمایا:

﴿ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴾ (سورۃ العلق)

"ہم ضرور کھینچیں گے پیشانی کے بالوں سے، جھوٹی خطاکار پیشانی کے بالوں سے"

اس آیت سے بھی اصل مقصود ناصیۃ کاذبۃ ہے۔ الناصیۃ صرف تمہید لایا گیا ہے۔

اب اصل آیت کی طرف نظر کریں! یہاں منعم علیہم کا ذکر اور صراط کی نسبت، ان کی طرف درحقیقت مطلوب و مقصود ہے۔ اور غیر المغضوب بطور تکملہ اور تتمہ کے لایا گیا ہے۔ یہ وصف اصل مقصد کے لئے کمال و وضاحت پیدا کردیتا ہے۔ خود مقصود بالذات نہیں ہے۔

وجہ دوم: بدل، مبدل منہ کے لئے تاکید و تکرار کا حکم رکھتا ہے۔ اگر مبدل منہ کی جگہ بدل کو رکھ دیا جائے تو کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ مثلاً قرآن کے علاوہ اگر کسی عبارت میں یوں کہا جائے: "للہ حج البیت علی من استطاع الیہ سبیلا" تو غلط نہ ہوگا۔ یا کوئی اس طرح دعا مانگے: "اھدنی صراط من انعمت علیہ" تو اس کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر غیر المغضوب کو بدل مان لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ اس لفظ کو الذین انعمت علیہم کی جگہ رکھ سکتے ہیں حالانکہ اس صورت میں کلام کا اصل مقصود ہی فوت ہو جاتا ہے۔ مقصد تو یہ تھا کہ صراط کی نسبت الذین انعمت علیہم کی طرف کی جائے نہ کہ غیر المغضوب علیہم کی طرف۔ نیز غیر کے لانے سے اصل غرض تو یہ تھی کہ اہل نعمت کو حمد و ثنا میں لفظ غیر کے ذریعہ اضافہ کیا جائے۔

وجہ سوم: غیر بدل واقع ہو ہی نہیں سکتا۔ صفت، حال، استثناء: انہی تینوں صورتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اصل وضع کے اعتبار سے اس کا استعمال مستقل طور پر نہیں ہو سکتا۔ صرف تابع کی حیثیت سے اس کو لایا جاسکتا ہے۔ "جاءنی غیر زید" بہت ہی کم بولا جاتا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شائع شدہ کتب کا علمی اور ویب سائٹ

بدل اور صفت میں فرق یوں سمجھیں کہ اول الذکر میں مبدل منہ بطور زینہ کے لایا جاتا ہے۔ اور مقصود بدل ہوتا ہے۔ جبکہ صفت میں اصل مطلوب موصوف ہوتا ہے۔ صفت وضاحت یا تشریح یا کسی اور فائدہ کے لئے لائی جاتی ہے۔ اب غور کرلیں ـــــ کیا یہاں غیر المغضوب بدل واقع ہو سکتا ہے۔؟

○جواب دوم: الذین اسم موصول مبہم غیر معین ہے، اس لئے اس کی صفت نکرہ ـــــ غیر کو لانا درست ہے۔ (اصل بحث میں کچھ سوال و جواب ہے جس کی افادی حیثیت عام فہم نہیں۔ اس لئے نظرانداز کردیا گیا۔ مترجم)

○جواب سوم: یہاں غیر اضافت کی وجہ سے معرفہ ہوگیا ہے۔ غیر کے بعد معرفہ ہونے سے مانع، اس کا ابہام ـــــ عموم ہے۔ لیکن یہاں دو متضاد ـــــ وصفوں ـــــ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اس لئے ابہام جاتا رہا اور تعین پیدا ہوگیا۔ یہاں غیر، انعمت اور مغضوب کے درمیان واقع ہے۔ اس کی نظیر کلام عرب میں یوں ملتی ہے:

نحن بنو عمرو بن لهجان الازهر، النسب المعروف غير المنكر

یہاں غیر، معروف اور منکر کے درمیان واقع ہے۔ اس لئے اس کا النسب معرفہ کی صفت قرار دینا صحیح ہوا۔ اسی طرح کہا کرتے ہیں: المحسن غير المسيئ والبر غير الفاجر

سوال ۱۱: ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ کو بصورتِ بدل لانے کی کیا ضرورت تھی۔ مبدل منہ تو نیت میں ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔

○جواب: مبدل منہ ـــــ علی الاطلاق ساقط الاعتبار نہیں ہوتا، بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بدل بعض اور بدل اشتمال ـــــ یہاں مبدل منہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

۲۔ بدل الکل ـــــ اس صورت میں بدل بمنزلہ تاکید اور یاددہانی کے لایا جاتا ہے۔ اور اس کے کلام میں نسبتِ اسنادی ـــــ کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ "ہمیں سیدھی راہ" ـــــ تو دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ راہ ہمارے ساتھ ہی خاص ہے۔ یا ہم سے پہلے کوئی دوسرا بھی اس راہ پر چلا ہے۔ ﴿ صراط الذين انعمت عليهم ﴾ سے یہ سوال حل ہوجاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے اس کی مثال یوں سمجھو کہ تم کسی انجان کو رستہ بتلا رہے ہو کہ یہ راہ تمہاری منزل مقصود تک پہنچے گی پھر تم اس کے اطمینان اور مزید تاکید کے لئے یوں کہتے ہو کہ یہ راہ وہ ہے جس پر تم سے پہلے بہت سے مسافر چل کر اپنی منزل مقصود پاچکے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں انجان مسافر کے دل میں سفر کا جو عزم اور بلند ہمتی پیدا ہوسکتی ہے وہ صرف رستہ بتلا دینے سے پیدا نہیں ہوتی۔ عام انسانی فطرت یہی ہے کہ کسی نمونہ کو دیکھے اور پھر میدان عمل میں کود پڑے۔

magazine.mohaddis.com

حدیث و سنت

غازی عزیر

- وحی اور اقسامِ وحی ـــــ وحی متلو اور غیر متلو میں فرق
- رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلمِ شریعت
- اللہ نے تاکیداً مکمل اطاعتِ رسول کا حکم فرمایا ہے
- حدیثِ نبوی کا منکر کافر ہے
- قرآن میں مذکور لفظ الحکمۃ کے معنی سنت ہیں
- سنتِ نبوی بھی وحی پر مبنی ہے
- سنتِ نبوی بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے
- اصولِ شریعت میں حدیث و سنت کی ثانوی حیثیت ناقابلِ قبول ہے
- عدم اتباعِ سنت، انکارِ رسالت کے مترادف ہے

وحی اور اقسامِ وحی

لغوی اعتبار سے کسی چیز کی خفیہ طور پر اور جلدی اطلاع دینا "وحی" کہلاتا ہے۔ چونکہ اس میں اخفاء کا مفہوم شامل ہوتا ہے، اس لئے ائمہ لغت کے نزدیک کتابت، رمز و اشارہ اور خفیہ کلام سب "وحی" کی تعریف میں آتا ہے۔ لیکن "وحی" کا اصطلاحی مفہوم، اس لغوی معنی کی نسبت خاص ہے۔ شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد اللہ عزوجل کا اپنے منتخب انبیاء کو اخبار و احکام سے اس خفیہ طریقہ پر مطلع کرنا ہے جس سے ان کو قطعی و یقینی علم حاصل ہو جائے کہ یہ اخبار و احکام منجانب اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ اصطلاحی معنی میں "وحی" کا مصدر و ماخذ اللہ عزوجل اور اس کا مورد انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ قرآن میں کسی منتخب نبی پر "وحی" بھیجنے کے تین طریقے مذکور ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ﴾ (۱)

"اور کسی بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو مگر (۱) وحی (الہام) کے ذریعہ یا (۲) حجاب کی آڑ سے یا (۳) کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے جو اس کو منظور ہو بصورتِ وحی پیغام دے جائے"

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی "وحی" کی یہ صورت مذکور ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴾ (۲)

"اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ من جملہ ڈرانے والوں میں سے ہوں" ـــــ اور

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (۳)

"اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی اپنا حکم وحی کیا۔"

لیکن یہاں ﴿ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ سے مراد صرف قرآن کریم نہیں ہے بلکہ "وحی" کا وہ حصہ بھی ہے جو الفاظ کی بجائے معانی میں نازل ہوا اور جزوِ قرآن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰي نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (۴)

"ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح کہ ہم نے وحی بھیجی تھی حضرت نوحؑ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف اور ہم نے حضرات ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے حضرت داؤدؑ کو زبور عطا کی"

عام مسلمان بھی جانتا ہے کہ ان انبیاء میں سے اللہ عزوجل نے صرف حضرات ابراہیم، عیسیٰ، داؤد اور محمد علیہم السلام کو "کتاب" عطا فرمائی تھی۔ دوسرے تمام انبیاء جن کا آیتِ بالا میں ذکر ہے ان کو جو "وحی" اللہ عزوجل کی جانب سے بھیجی گئی تھی، وہ ان چار صحفِ سماوی کی طرح متلو نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت غیر متلو کی تھی۔

چونکہ اصطلاحاً "وحی" کے معنی "موحیٰ بہ" (یعنی وہ احکام جو بذریعہ وحی نازل ہوتے ہیں) کے ہیں۔ لہٰذا سورۃ النساء کی اس آیت کی روشنی میں "وحی" کی دو قسمیں ہوئیں:

(۱) وحی متلوّ ـــــ (۲) وحی غیر متلوّ

"وحی" کی ان اقسام کے متعلق امام ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

"ہم پر یہ چیز واضح ہو چکی ہے کہ شریعت میں قرآن اصل المرجوع ہے لیکن جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت کا واجب ہونا بھی ملتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی نظر آتا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ "اور نہ آپ ﷺ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد نِری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔" (۵) ـــــ پس اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی اپنے رسول ﷺ کی طرف بھیجی گئی وحی دو اقسام میں منقسم ہے:

پہلی قسم: وحی متلو جو مؤلف تالیفاً اور معجز النظام یعنی قرآنِ کریم ہے۔

دوسری قسم: وہ وحی جو مروی و منقول، غیر مؤلف، غیر معجز النظام اور غیر متلو ہے۔ وحی کی یہ قسم رسول اللہ ﷺ، جو ہمارے لئے اللہ عزوجل کی مراد و منشاء کے مبین تھے، سے مروی اخبار پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (۶) ـــــ اور ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس دوسری قسم کی وحی کی اطاعت بھی پہلی قسم کی وحی (یعنی قرآن کریم) کی طرح بلا تمیز واجب کی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ (۷،۸)

اور علامہ مفتی محمد شفیع صاحب "معارف القرآن" میں "قرآن و سنت کی حقیقت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"اس سے اس کلام کی حقیقت معلوم ہوگئی جو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: متلو (جو تلاوت کی جاتی ہے) اور غیر متلو (جو تلاوت نہیں کی جاتی) وحی متلو قرآن کا نام ہے جس کے معانی اور الفاظ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اور غیر متلو حدیثِ رسول ﷺ کا نام ہے، جن کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں اور معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں" (۹)

(۱) وحی متلو: وحی متلو سے قرآن کریم مراد ہے جیساکہ مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے۔ یہ نبی ﷺ کی رسالتِ صادقہ کی زندہ دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس وحی میں تصرف کا کسی کو اختیار نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ (۱۰)

"یہ قرآن رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین اس کو لے کر اترے ہیں"

magazine.mohaddis.com

اس کی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری خود اللہ عزو جل نے لے رکھی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (۱۱)

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"

اس "وحی" کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ اس کی تلاوت حالتِ نماز اور خارج از نماز دونوں صورتوں میں عبادت اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ اسکی روایت بالمعنی قطعاً جائز نہیں۔ وحی کی یہ قسم بہر اعتبار معجزہ ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾ (۱۲)

"یعنی کہہ دیجئے کہ اگر (تمام) انسان اور جنات جمع ہو کر بھی قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہ لاسکیں گے (اگرچہ) وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں"

(۲) وحی غیر متلو: اس سے مراد "وحی" کا وہ حصہ ہے جو کتاب اللہ کا جزو نہ ہو اور نہ ہی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اسے آپ سنن نبوی کہہ سکتے ہیں۔ جس کی دلیل یہ آیات ہیں:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴾ (۱۳) ـــــ اور

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (۱۴)

وحی متلو و غیر متلو میں فرق

قرآن مجید اور سنتِ نبوی، دونوں کے مبنی بر وحی ہونے کے باوجود، ان دونوں کے مابین مندرجہ ذیل اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے:

(۱) قرآن کے برخلاف حدیث کے معانی و مطالب نبی ﷺ پر نازل ہوتے ہیں جنہیں آپؐ اپنے الفاظ میں بیان کردیتے ہیں۔

(۲) قرآن کے برخلاف حدیث کی روایت بالمعنی اکثر صحابہ و محدثین کے نزدیک جائز رہی ہے۔

(۳) قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ اعجاز سے خالی ہیں۔

(۴) قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ کی تلاوت شاملِ عبادت نہیں ہے۔

(۵) قرآن کے برخلاف حدیث، رسول ﷺ پر خواب و بیداری ہر دو حالتوں میں نازل ہوئی ہے۔

(۶) قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ جبریلؑ کی وساطت کے بغیر بھی نازل ہوئے ہیں۔

(۷) اگرچہ قرآن و سنت دونوں افصح الکلام ہیں لیکن قرآن کے برخلاف حدیث کے مثل لے

magazine.mohaddis.com

آنے کا چیلنج نہیں کیا گیا ہے۔

(۸) اگرچہ قرآن و سنت دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ عزوجل نے لی ہے لیکن قرآن کے برخلاف حدیث کے الفاظ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔

وحی کے کچھ حصہ کو "الفاظ" میں اور کچھ کو "معانی" میں نازل کئے جانے کی مصلحت

اللہ عزوجل نے تمام سابقہ شریعتوں پر شریعتِ محمدی کو دیگر فضائل کے علاوہ ایک اہم فضیلت یہ بھی بخشی ہے کہ اپنے نازل کردہ احکام کے کچھ حصہ کو "الفاظ" کے ساتھ نازل فرمایا اور کچھ کو "معانی" کے ساتھ۔ یہ اس کی انتہائی رحمت و حکمت کا ہی تقاضہ تھا کہ اس نے وحی کو اس طرح دو اقسام میں تقسیم فرمادیا۔ اس کی ایک قسم، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، وہ ہے جس کی روایت بالمعنی جائز نہیں بلکہ اصل منزل الفاظ کا التزام ہی ضروری ہے جبکہ وحی کی دوسری قسم کی روایت بالمعنی ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو اس کی اہلیت سے بہرہ ور ہوں۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دراصل اپنے بندوں پر اپنی عنایاتِ خصوصی سے تنگی و تکلیف کا ازالہ فرمایا ہے۔ چونکہ حدیث سے اصل الفاظ کا التزام اور اس کی تلاوت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصلی مراد و مطلوب تو اس کا مضمون ہوتا ہے لہٰذا سنت کے الفاظ کو معنی کی علامت ٹھہرانے سے امتِ مسلمہ کو جو سہولت میسر آسکی ہے، وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وحی کی اس تقسیم میں تحفظِ شریعت، سہولتِ امت اور اتمامِ حجت کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر وحی کی ہردو صنف میں قرآن کریم کی طرح ہی منزل الفاظ کا التزام و اہتمام ضروری ہوتا تو انسانی زندگی کے اُمور جس قدر کثیر ہیں، وہ کسی ایک کتاب میں نہیں سما پاتے بلکہ ان کے لئے تو کئی ضخیم دفاتر درکار ہوتے۔ ایسی صورت میں بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امت کس قدر بڑی دشواری میں مبتلا ہوسکتی تھی، عین ممکن تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے بطریقِ احسن عہدہ برآ نہ ہوسکتی۔

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلّمِ شریعت

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو نبوت و رسالت سے مشرف فرماکر آپ پر قرآن کریم نازل کیا اور بحیثیتِ معلم، اس کی تشریح و توضیح کو آپ ﷺ کا فریضہ منصبی قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (۱۵)

"اور ہم نے آپ پر ذکر کو اس لئے نازل کیا تاکہ آپ انسانوں کے لئے اسے کھول کر بیان کردیں جو کچھ ان لوگوں کی طرف اُتارا گیا ہے۔"

magazine.mohaddis.com

(۲) ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ (۱۶)

"ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تبیین و توضیح فرمادیں"

(۳) ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ (۱۷)

"بے شک ہمارے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھا دینا ہے پس جب ہم اس کو پڑھ دیں تو آپ اس کی اتباع کریں، پھر بے شک ہمارے ذمہ اس کا بیان بھی ہے۔"

(۴) ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"

(۵) ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ (۱۹)

"ہم نے آپ کی جانب کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کرسکیں جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھائی ہے"

(۶) ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۲۰)

"جن لوگوں نے کتاب اللہ اور ان چیزوں کو جھٹلایا جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے تو وہ (عنقریب اپنے انجام بد کو) جان لیں گے۔"

(۶) ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۲۱)

"آپ ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ان کا کلام تو نرا وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے"

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ سُنَنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهِيَ الْمُبَيِّنَةُ لِمُرَادِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ مُجْمَلَاتِ كِتَابِهٖ وَالدَّالَّةُ عَلٰى حُدُوْدِهٖ وَالْمُفَسِّرَةُ لَهٗ.... الخ" (۲۲)

یعنی "اللہ عزوجل کی کتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنن ہیں جو کتاب اللہ کے مجملات سے اللہ عزوجل کی مراد بیان کرتی ہیں، اس کی حدود پر دلالت کرتی اور اس کی تفسیر و توضیح کرتی ہیں"

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني احكام الكتاب" (۲۳)

magazine.mohaddis.com

"سنت کتاب اللہ کے احکام کے معانی کے لئے تفسیر و تشریح کا درجہ رکھتی ہے"

"مرقاۃ" میں امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ آں رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جن چیزوں کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے وہ سب آپ کے فہمِ قرآن سے ماخوذ ہیں جیساکہ آں ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے: "انی لا احل الا ما احل اللہ فی کتابہ ولا احرم الا ما حرم اللہ فی کتابہ" (یعنی میں حلال نہیں کرتا مگر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور نہ حرام کرتا ہوں مگر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے)

امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں: "جمیع ما تقولہ الائمۃ شرح للسنۃ و جمیع السنۃ شرح للقرآن" (یعنی ائمہ جو تمام چیزیں بیان کرتے ہیں وہ سنت کی شرح ہیں اور تمام سنت قرآن کی شرح ہے)"

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک اور قول ہے:

"ما نزل بأحد من الدین نازلۃ الا وھی فی کتاب اللہ تعالی" (۲۴)

علامہ خطابیؒ کا قول ہے:

"لا خلاف فی وجوب افعالہ ﷺ التی ھی لبیان مجمل الکتاب" (۲۵)

یعنی "نبی ﷺ کے افعال جو کہ مجملات قرآن کے بیان سے عبارت ہیں، کے وجوب کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے"

جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معنی و احکام کی شرح کرکے بیان فرمائیں۔ ارشاد ہے ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ یعنی "ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں" تعلیمِ کتاب کے ساتھ آپؐ کے فرائض میں دوسری چیز تعلیمِ حکمت بھی رکھی گئی ہے ـــــ اس آیت میں اور اس کے ہم معنی دوسری آیات میں صحابہ و تابعین نے حکمت کی تفسیر سنتِ رسول اللہ ﷺ سے کی ہے جس سے واضح ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے ذمہ جس طرح معانی قرآن کا سمجھانا بتلانا فرض ہے، اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے، اُن کی تعلیم بھی آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے اور اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "انما بعثت مُعلّما" ـــــ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، الخ" (۲۶)

جناب حمید الدین فراہیؒ صاحب رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے

کتاب "احکام الاصول" میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو شریعت کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا تو حکمت اور اسرارِ شریعت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل کردی تاکہ امت اجتہاد کے قابل ہوسکے۔ اپنی عقلوں کو استعمال کرنا سیکھے اور ظاہری و باطنی دلائل سے استدلال کرسکے۔ پس حضور ﷺ ہمارے لئے کتاب اللہ کی تبیین کرتے تھے تاکہ ہم پر قرآن کے اشارات پر تفکر و تدبر کا منہاج واضح ہو۔" (۲۷)

جناب فراہیؒ تفسیر قرآن کے متعلق ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کتاب اللہ کے مبین و مفسر تھے، اس لئے شرائع ہوں یا عقائد، آپ کی تاویلات ایک مفسر کے لئے علم کی مضبوط ترین بنیاد ہیں۔" (۲۸)

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

"پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر میں مرجع کا کام دے سکتی ہے، خود قرآن ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔ پس میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہی تفسیر ہے جو پیغمبرؐ اور صحابہ سے مروی ہو۔" (۲۹)

اور جناب فراہی کے خلیفہ محترم امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"—— قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحبِ وحی محمد رسول اللہ ﷺ ہی کو ہے۔ آپ جس طرح اس کتاب کے لانے والے تھے اسی طرح اس کے معلم اور مبین بھی تھے اور یہ تعلیم و تبیین آپ کے فریضہ رسالت ہی کا ایک حصہ تھی۔ الخ" (۳۰)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

—— "قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کے معنی بیان کرنے کا حق آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ الخ" (۳۱)

آں محترم ایک مقام پر منکرینِ سنت پر سخت تنقید کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ زندگی کے ہر گوشے میں اتباع کے لئے کامل نمونہ ہیں۔ دین سے متعلق جو احکام اور آداب ہمیں سیکھنے چاہئیں، وہ سب آپ نے اپنی عملی زندگی سے ہمیں بتائے اور سکھائے۔ منکرین سنت کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی حیثیت ایک خط پہنچا دینے والے قاصد کی ہے، بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ آپ ﷺ صرف کتاب اللہ کے پہنچا دینے والے ہی نہیں، بلکہ معلمِ شریعت اور مُزکّی نفوس بھی ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ ہے جس کی ہر شعبہ میں پیروی کرکے ہی ہم اپنے آپ کو ایمان اور اسلام کے

سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔" (۳۲)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب سورۃ النحل کی آیت: ۴۴ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں یہ بات صاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنا یہ فرمان محض اس لئے پیغمبر کی وساطت سے نازل کیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کرے۔ گویا تبیین یا بیان پیغمبر کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر اس کا حق بھی جو اسے خود پروردگار عالم نے دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر مامور من اللہ، مُبین کتاب ہے۔" (میزان جلد نمبر ا صفحہ ۸۳)

اللہ تعالیٰ نے تاکیداً مکمل اطاعتِ رسول کا حکم فرمایا ہے

رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا معلّم شریعت کی حیثیت کے پیش نظر ہی قرآن کریم میں تقریباً چالیس مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کا ذکر مختلف انداز سے آیا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ رسالت کا اصل منشاء و مقصود ہی اطاعتِ رسول ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳۳)

"اور ہم نے تمام رسولوں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم الٰہی، ان کی اطاعت کی جائے" ـــــ اور

(۲) ﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (۳۴)

"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ لوگ پیٹھ پھیریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔"

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں:

"اہل تاویل کا ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ کے معنی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کا حکم ہے۔" بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی زندگی میں اطاعتِ رسول کا حکم ہے" لیکن اس بارے میں یہ کہنا زیادہ صواب ہے کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے رسول کی زندگی میں امر و نہی کے متعلق اس کی اطاعت کا اور اس کی وفات کے بعد اس کی سنت کی اتباع کا حکم ہے"۔ چونکہ یہ حکم کسی ایک حال کے لئے خاص نہیں ہے لہٰذا عموم پر ہی باقی رہے گا حتی کہ کوئی لائقِ تسلیم چیز اس کی تخصیص کردے۔" (۳۵)

(۳) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

magazine.mohaddis.com

﴿ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا، مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾ (۳۶)

"ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اس کی شہادت کے لئے اللہ کافی ہے۔ جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پیٹھ پھیرے تو ہم نے آپ کو ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔"

یہی بات احادیث میں یوں مروی ہے:

(۱) "من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله" (۳۷)

(۲) "من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد عصا الله" (۳۸)

(۳) " فاذا نهيتكم عن شئي فاجتنبوه واذا امرتكم بشئي فاتوا منه ما استطعتم" (۳۹)

یہ تینوں احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی ایک طویل حدیث میں یہی بات ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"والداعي محمد ﷺ فمن أطاع محمدا ﷺ فقد أطاع الله و من عصى محمدا ﷺ فقد عصى الله" (۴۰)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "من أطاعني فقد أطاع الله" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یہ قول اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾ سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) صرف اسی بات کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے لہٰذا اگر میں نے کسی کو کوئی حکم دیا اور اس نے اس حکم کے مطابق عمل کیا تو گویا اس نے میرے حکم سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری اطاعت کا حکم دیا ہے پس جس نے میری اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت سے حکمِ الٰہی کی اطاعت کی۔ اسی طرح کا معاملہ معصیت میں بھی ہے" (۴۱)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندہ اور رسول حضرت محمد ﷺ کو خبر دیتا ہے کہ جس نے ان کی (رسول اللہ ﷺ کی) اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد نرا وحی ہوتا ہے جو کہ آپ کی طرف

magazine.mohaddis.com

بھیجی جاتی ہے۔" (۴۲)

اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"اس آیت میں (بصراحت) مذکور ہے کہ اطاعتِ رسول بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے شرف، علوِّ شان، ارتفاعِ مرتبہ اور قدر و منزلت کا اعلان بھی ہے کہ جس تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف اسی بات کا حکم دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہوتا ہے اور صرف اسی بات سے روکتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہوتا ہے۔ اگر آں ﷺ کا بیان موجود نہ ہوتا تو ہم کتاب اللہ سے کسی بھی فریضہ مثلاً حج، نماز، زکوۃ اور روزہ کو نہ جان پاتے کہ ان کو کس طرح ادا کرنا ہے۔"

حضرت حسن کا قول ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں پر حجت قائم کی" ـــــ جیسا کہ علامہ نواب صدیق حسن خانؒ نے اپنی تفسیر "فتح البیان فی مقاصد القرآن" میں ذکر فرمایا ہے" (۴۳)

(۴) اور فرمایا: (۴۴)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النساء-۵۹)

"اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اپنے اولی الامر (یعنی مسلمانوں کے امور کے نگران) کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز کے متعلق باہم جھگڑ بیٹھو تو اگر اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، یہی بہتر صورت اور خوش تر نتیجہ والی ہے"

علامہ طبریؒ اس آیت کے لفظ "والرسول" کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

"اگر تم کتاب اللہ میں اس کے علم کی کوئی راہ نہ پاؤ تو اگر رسول اللہ ﷺ بحیات ہوں تو ان کی طرف معاملہ کو لوٹا کر اس کی معرفت حاصل کرو اور اگر وفات پاچکے ہوں تو ان کی سنت سے معرفت اور رہنمائی حاصل کرو۔" (۴۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"فردوہ الی اللہ والرسول" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر تم جانتے ہو تو (اس کی طرف اس متنازعہ مسئلہ کو لوٹاؤ) لیکن اگر

magazine.mohaddis.com

تم نہیں جانتے کہ (اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے) تو اگر تم رسول اللہ تک پہنچو تو ان سے دریافت کر لو یا پھر تم میں سے جو کوئی ان تک پہنچے (وہ دریافت کرلے) کیونکہ آپ ﷺ کے فیصلہ کے بعد یہ فرض ہے کہ تم میں کوئی تنازعہ باقی نہ رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ (۴۶) ـــــ اور جو تنازعہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اُٹھ کھڑا ہو تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پھر اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف لوٹایا جائے۔" (۴۷)

علامہ لیثیؒ کا قول ہے:

"واطیعوا الرّسول" میں فعل کا اعادہ دراصل استقلالُ الرسول بالطاعۃ کی طرف اشارہ ہے۔ اولی الامر کے متعلق فعل کا اعادہ نہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کی اطاعت واجب نہیں ہے" (۴۸)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے میمون بن مہران (۱۱۰ھ) سے روایت کی ہے کہ:

"ان الرد الی اللہ ھو الرد الی کتابہ، والرد الی الرسول ھو الرد الیہ ما کان حیّا فاذا مات فالرد الی سنتہ" (۴۹)

"یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا، اس کی کتاب (قرآن) کی طرف لوٹانا ہے اور رسول کی طرف لوٹانا، اگر وہ زندہ ہوں تو ان کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر وفات پاچکے ہوں تو ان کی سنت کی طرف لوٹانا ہے۔"

امام ابن حزم اندلسیؒ (۴۵۶ھ) آیت ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ یہاں "رد" سے مراد قرآن اور رسول اللہ ﷺ سے مروی خبر کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ یہ خطاب ہماری طرف اور روز قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن اور انسانوں سب کی طرف ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے لوگوں اور ان کے بعد آنے والوں کی طرف تھا۔ اگر کوئی ہیجان زدہ یا شرانگیز یہ کہے کہ یہ خطاب (ہم سے نہیں) صرف ان لوگوں سے ہے جن کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ممکن تھی تو کیا اس کا یہ شُبہ و ہیجان اللہ عزوجل کے بارے میں بھی ممکن اور درست ہوسکتا ہے؟ دریں حال کہ کسی شخص کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ پس یہ ظن و گمان باطل ہوا اور ہماری یہ بات درست ہوئی کہ مذکورہ

magazine.mohaddis.com

"رد" سے مراد کلام اللہ تعالیٰ یعنی قرآن اور اس کے نبی ﷺ کے کلام کی طرف رجوع کرنا ہے، جو کہ ہم تک جیلاً بعد جیلٍ منقول ہیں۔" (۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس آیت کے تحت ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بدون اولی الامر، رسول اللہ ﷺ کی طرف معاملہ کو لوٹانے میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح درحقیقت مطاع اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ جن دو چیزوں کا ہمیں مکلّف ٹھہرایا گیا ہے وہ قرآن و سنت ہیں۔ پس اللہ کی اطاعت کرو جس کے بارے میں تمہارے لئے قرآن میں نص موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو جس کے بارے میں انہوں نے تمہارے لئے قرآن سے توضیح فرمائی ہے اور اپنی سنت سے جو تمہارے اوپر نص قائم کی ہے۔ یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس بارے میں جس کا کہ تم کو اُس وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے جس کی تلاوت بھی عبادت ہے اور رسول کی اطاعت کرو اس بارے میں جس کا تم کو اُس وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے جو کہ قرآن نہیں ہے۔" (۵۱)

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"ان الرد الی اللہ ھوالی کتابہ والرد الی الرسول ھوالرد الی سنتہ بعد موتہ" (۵۲)

"یعنی اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد اس کی کتاب (قرآن) کی طرف رجوع کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (۵۳)

"اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(۶) اور فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (۵۴)

"اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور احتیاط کرتے رہو، اگر کہیں تم نے پیٹھ پھیر لی

magazine.mohaddis.com

تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھلی ہوئی تبلیغ کی ذمہ داری ہے"

امام شاطبیؒ آیت ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ﴾ کے تحت رقم طراز ہیں:

"اس آیت میں اطاعتِ رسول کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ مقرون کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ جن باتوں کا اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا اور جن چیزوں سے منع کیا (ان کو تسلیم کیا جائے) اور اطاعتِ رسول یہ ہے کہ جن چیزوں کا آپ ﷺ نے حکم دیا اور جن چیزوں سے آپ ﷺ نے روکا اور وہ قرآن میں مذکور نہیں ہیں (انہیں بھی تسلیم کیا جائے) اگر وہ چیزیں قرآن میں ہی مذکور ہوتیں تو ان کا ماننا اطاعت رسول نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کہلاتا۔" (۵۵)

(۷) مزید فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (۵۶)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے"

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو جو اس کی محبت کا مدّعی ہے، یہ حکم دیا ہے کہ محمد ﷺ کی اتباع کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اتباع کا اس وقت تک کوئی معنی نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال، افعال، احوال اور ہُدیٰ کی مکمل اتباع نہ کی جائے اور آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال، احوال اور ہُدیٰ ہی تو احادیثِ نبوی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص احادیثِ نبوی کی اتباع نہیں کرتا اور نہ ہی ان پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے اپنے دعویٰ میں کاذب ہے، اور جو اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کے ایمان کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔" (۵۷)

(۸) اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (۵۸)

"جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں

magazine.mohaddis.com

رہ جاتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا"

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"یہ آیت تمام اُمور کے لئے عام ہے اور (اس میں یہ حکم مذکور ہے کہ) جب اللہ اور اس کا رسول کسی چیز کا فیصلہ کردیں تو کسی کے لئے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو وہاں کوئی اختیار باقی رہتا ہے، نہ رائے کا اور نہ قول کا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ ایک اور حدیث میں ہے: والذی نفسی بیدہ لا یؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ یعنی "قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں" لہٰذا اس بارے میں مخالفت انتہائی شدید (نتائج کی حامل) ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا ﴾ یعنی "جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔" اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (۵۹)

(۹) اور فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (۶۰)

"پھر قسم ہے آپ کے رب کی، یہ لوگ کبھی ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ آپس میں جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر اُسے تسلیم کرلیں"

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے کریم و مقدس نفس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ بلاشبہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے تمام معاملات میں فیصلہ فرمائیں، ہر فیصلہ جو وہ فرمادیں حق ہے جس کو ظاہری و باطنی ہر طرح تسلیم کرنا اور نافذ کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ یعنی اگر تمہارا فیصلہ رسول اللہ

magazine.mohaddis.com

ﷺ فرمادیں تو تم اپنے باطن میں بھی اس کی اطاعت کرو اور اپنے دلوں میں اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پاؤ بلکہ ظاہر و باطن ہر طرح اسے نافذ کرو اور اس کو بغیر ممانعت و مدافعت اور اختلاف کے پوری طرح قبول کرو" (٦١)

(١٠) اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (٦٢)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے خود کو نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ فرماتے ہیں:

"—— علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ" سے مراد یہ ہے کہ لا تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے خلاف کچھ نہ کہو۔ اور عوفی ؒ نے ان سے روایت کی ہے کہ "نھوا ان یتکلموا بین یدی کلامہ" یعنی آپ ﷺ کے کلام کے آگے بڑھ کر کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے" مجاہد ؒ کا قول ہے: "لا تفتأتوا علی رسول اللہ ﷺ بشیئی حتی یقضی اللہ تعالی علی لسانہ" ضحاک ؒ کا قول ہے: "لا تقضوا امرا دون اللہ و رسولہ من شرائع دینکم" اور سفیان ثوری ؒ کا قول ہے: "لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ بقول ولا فعل" یعنی قول و فعل سے خود کو اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھاؤ" (٦٣)

(١١) اور فرمایا:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (٦٤)

"تم اپنے درمیان رسول کو ایسے نہ پکارو جیسے تم میں سے ایک شخص دوسرے کو پکارتا ہے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو چھپ کر کھسکتے ہیں پس جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ کوئی مصیبت اُن کو آدبوچے یا دردناک عذاب اُن کو آلے"

امام شاطبی ؒ آیت ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: (٦٥)

"عدّ مخالفۃ أمرہ خروجا عن الایمان فالکتاب شھد السنۃ بالاعتبار"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اختص الرسول ﷺ بشئی یطاع فیہ" (٦٦)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بلانا، اُمت میں سے کسی اور کے بلانے جیسا نہیں ہے بلکہ تمام مخلوق کی دعوات کے مقابلہ میں عظیم ترین خطرات کا حامل اور انتہائی جلیلُ القدر ہے۔ لہٰذا اگر آپؐ نے کسی کو بلایا تو اس پر اجابت لازم ہے۔ بلاشبہ نبی ﷺ نے اس کے علاوہ بھی متعدد جگہ اپنی امت کو کتاب اللہ اور اپنی سنت کے ساتھ تمسک کی دعوت دی ہے۔ پس پوری امت پر فرض ہے کہ آپ کی دعوت و پکار کا جواب دیں اور استجابت سے ہاتھ پر ہاتھ نہ دھرے بیٹھے رہیں۔ جب تک امہات الکتب (صحاحِ ستہ وغیرہ) میں احادیث باقی رہیں گی اور قیامت کی گھڑی آنے تک دنیا میں قرآن باقی رہے گا، اُس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی یہ دعوت باقی رہے گی۔ امت میں سے کوئی بھی فرد کسی عصر و قطر میں علماء کے درمیان اِن کتب کے موجود ہونے تک اس دعوت کی اجابت سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا.... الخ" (٦٧)

(١٢) اور فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ﴾ (٦٨)

"مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں، نہیں جاتے"

اس آیت کے تحت اِمام ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں:

"پس اگر اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لوازم میں سے اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ اگر لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں تو آپؐ کی اجازت کے بغیر کسی مسلک و مذہب کو اختیار نہ کریں لہٰذا ایمان کے لوازم میں سے اس بات کا لازمی ہونا زیادہ اولیٰ ہے کہ جب تک آں ﷺ کی اجازت شامل نہ ہو لوگ کسی کے قول یا مذہبِ علمی کی طرف التفات نہ کریں اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت آپؐ کے ذریعہ آنے والی سنت سے بدلالت ہی معلوم ہو سکتی ہے" (٦٩)

(١٣) اور فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ (۷۰)

"اے مومنو! تم اللہ اور رسول کی بات کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں حیاتِ نو عطا کرنے والی ہے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب کو اسی کے پاس جمع ہونا ہے"

علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی استجابت کا حکم ہے اور یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔ یہاں اللہ اور رسول اللہ کی استجابت کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے روکا گیا ہے ان سب کو قبول کیا جائے اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کیا جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے امت کے حاضر و غائب سب لوگوں کو تمسک بالثقلین (یعنی کتاب و سنت) اور ان دونوں اصل کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی دعوت دی ہے" (۷۱)

(۱۴) اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (۷۲)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ وہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامرانی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، اور اللہ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھے گا، وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رُسوا کن عذاب ہے"

(۱۵) اور فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ (۷۳)

"(اے محمدؐ!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لے آئے جو آپ پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی، وہ چاہتے یہ ہیں کہ (اپنے مقدمات میں) طاغوت سے فیصلہ کرائیں حالانکہ انہیں اس کے

magazine.mohaddis.com

انکار کا حکم دیا گیا ہے، شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ چیز کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں"

(۱۶) اور فرمایا:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ (۷۴)

"جن مومنوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کا قول تو یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سُن لیا اور مان گئے۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ (دل میں) رکھتا ہے تو ایسے لوگ ہی کامران ہیں"

(۱۷) اور فرمایا:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (۷۵)

"اور رسول تمہیں جو کچھ بھی دیں، اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے"

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"حق بات یہ ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ سے آنے والی ہر چیز کے بارے میں عام ہے خواہ وہ اَمر و نہی سے متعلق ہو یا قول و فعل سے اور اگرچہ اس کا کوئی خاص سبب ہی ہو۔ پس خصوصی سبب کا نہیں بلکہ عمومِ لفظ کا اعتبار ہوگا اور شریعت کی جو چیز بھی ان سے ہم تک پہنچی ہے، وہ ہم کو آپ نے ہی دی ہے تبھی تو ہم تک پہنچ سکی ہے۔ پس یہ آیتِ کریمہ اس بارے میں صریح نص ہے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو کر ہم تک آئی ہے اور آپ کے جو احکام وغیرہ ہم تک پہنچے ہیں، سب برابر ہیں۔ خواہ وہ کتاب یعنی قرآن مجید میں مذکور ہوں یا سنت یعنی محکم اور ثابت احادیثِ نبویہ میں۔ ہمارے لئے ان سب پر عمل کرنا اور ان سے امتثال واجب ہے۔ اسی طرح ہم کو کتاب یا سنت میں جن ممنوع اور کھلی منکرات سے روکا گیا ہے، ہم پر ان چیزوں سے اجتناب کرنا اور ان سے کنارہ کش ہو جانا واجب ہے ـــــ اور وہ تمام دینی اُمور جو ہم کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ملے ہیں، وہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی وحی کے مطابق ہی

magazine.mohaddis.com

ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۷۶)

(۱۸) اور فرمایا:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (۷۷)

"آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم لوگ روگردانی کروگے تو سمجھ رکھو کہ رسولؐ کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہِ راست پر جالگو گے اور رسولؐ کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے"

(۱۹) اور فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ (۷۸)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے"

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

هذه الاية الكريمة أصل كبير في التأسي برسول الله ﷺ في أقواله و أفعاله وأحواله.....الخ" (۷۹)

آیاتِ مذکورہ کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو قطعی اور کلّی طور پر رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہم بخوفِ طوالت صرف اِنہیں چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس بحث کو امام شافعیؒ کے مندرجہ ذیل اقتباس کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

امام شافعیؒ "باب ما أمر الله من طاعة رسول الله" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"اللہ جل ثناؤہ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (۸۰) ـــــ یعنی "جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (فی الواقع) اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اللہ سے عہد کیا ہے تو عنقریب اللہ اس کو بڑا اجر دے گا۔" اور فرمایا: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (۸۱) ـــــ یعنی "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی" ـــــ ان آیات میں لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

magazine.mohaddis.com

کے ساتھ ان کی بیعت، اللہ تعالیٰ سے بیعت ہے۔ اسی طرح ان کا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۸۲) ـــــ یعنی پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو تنازعہ واقع ہو، اُس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروائیں پھر آپ کے اِس تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کرلیں" ـــــ اور اللہ تعالیٰ فرماتا: ﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۸۳) ـــــ یعنی "تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک شخص دوسرے کو بلا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں۔ سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔" اور فرمایا ﴿ واذا دُعوا الی اللہ و رسو لہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون وان یکن لھم الحق یاتوا الیہ مذعنین أفی قلوبھم مرض أم ارتابوا أم یخافون أن یحیف اللہ علیھم و رسو لہ بل اولئک ھم الظلمون انما کان قول المومنین اذا دُعوا الی اللہ و رسو لہ لیحکم بینھم أن یقولوا سمعنا و اطعنا واولئک ھم المفلحون ومن یطع اللہ و رسو لہ و یخش اللہ و یتقہ فأ ولئک ھم الفائزون ﴾ (۸۴) یعنی "اور یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق ہو تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہیں؟ یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ ہی بر سر ظلم ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا قول تو یہ ہے جب کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور اس کو مان لیا۔ اور ایسے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے، پس ایسے لوگ بامراد ہوں گے" ـــــ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کے لئے رسول اللہ

magazine.mohaddis.com

ﷺ کی طرف بلایا جانا اللہ کے فیصلہ کی طرف بلایا جانا ہے کیونکہ ان کے درمیان حاکم رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگر انہوں نے رسول اللہ کے حکم کو تسلیم کرلیا تو گویا انہوں نے بافتراضِ اللہ، اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرلیا، اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ رسول اللہ کا حکم بمعنی افتراضِ حکم خود اس کا حکم ہے ——

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اپنے رسول کی اطاعت کے التزام کا حکم دیا ہے اور ان کو یہ اطلاع دی ہے کہ یہ دراصل، اسی کی اطاعت ہے پس —— "اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ علم بخشا ہے کہ ان پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اتباع فرض ہے، اس کے رسول کی اطاعت اسی کی اطاعت ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف اسی جلّ ثناؤہ کے حکم کی اتباع فرض ہے۔" (۸۵)

پس معلوم ہوا کہ کامل اتباع و اطاعتِ رسول کا نام ہی "شریعت" ہے۔

حدیثِ نبوی کا منکر کافر ہے

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں:

"ہر وہ شخص جو رسول کریمؐ سے ثابت شدہ صحیح حدیث کا انکار کرے یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو حضور ﷺ سے مروی و منقول ہو اور اس پر اہل ایمان کا اجماع منعقد ہو چکا ہو تو وہ شخص کافر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (۸۶) —— اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔" (۸۷)

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

"من ردّ حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة" (۸۸)

"جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پڑا ہے"

اور امام ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) سے منقول ہے کہ ہمیں اہل علم صحابہ سے یہ عقیدہ معلوم ہوا ہے کہ "الاعتصام بالسنن نجاة"، "سنتوں پر عمل کرنے ہی میں نجات ہے" (۸۹)

قرآن میں مذکورہ لفظ الحکمۃ کے معنی "سنت" ہیں

magazine.mohaddis.com

اللہ عزوجل نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر سنت رسول ﷺ کو الحکمۃ سے تعبیر کرتے ہوئے بمنزلہ قرآن بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ﴾ (۹۰)

"اے ہمارے رب! اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو آسمانی کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کردے"

(۲) ﴿ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا وَ يُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ (۹۱)

"جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول کو تم ہی میں سے بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہاری صفائی کرتا ہے اور تم کو کتابِ الٰہی اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے اور تم کو ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کی تم کو خبر نہ تھی"

(۳) ﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ﴾ (۹۲)

"اور اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہیں، ان کو یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس لئے نازل فرمائی ہے کہ تمہیں ان کے ذریعہ سے نصیحت فرمائے"

(۴) ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾ (۹۳)

"درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ اُن میں انہی کی جنس سے ایک ایسے رسول کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کی صفائی کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی میں تھے"

(۵) ﴿ وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴾ (۹۴)

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے"

(۶) ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللهَ كَانَ

لَطِيفًا خَبِيرًا ﴾ (۹۵)

"اور تم ان آیاتِ الٰہیہ اور علم حکمت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا رازوں والا اور پورا خبردار ہے"

(۷) ﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾

"وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں اُنہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت سکھلاتا ہے اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے" (۹۶)

جمہور ائمہ لغت و مفسرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان تمام آیات میں "الکتاب" سے مراد کتابُ اللہ یا قرآن کریم ہے اور الحکمۃ سے مراد قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ لغوی اعتبار سے الحکمۃ کئی معانی کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً حق بات پر پہنچنا، عدل و انصاف، علم و حلم وغیرہ (قاموس) —— راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کہ:

"جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لیے جاتے ہیں، پس لفظ "حکمت" عربی زبان میں کئی معانی کے لئے یعنی علم صحیح، نیک عمل، عدل و انصاف، قول صادق وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ (قاموس و راغب)

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی الحکمۃ کا لفظ آیا ہے اس سے صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی مراد لینا درست نہیں ہے۔ البتہ جن آیات میں "الکتاب" کے ساتھ الحکمۃ کا ذکر بھی آیا ہے، مثلاً مندرجہ بالا تمام آیات میں، وہاں اس سے مراد شریعت کے وہ احکام اور دین کے وہ اسرار ہیں جن پر اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا۔ چنانچہ امام شافعیؒ آیاتِ مذکورہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فذكر الله الكتاب وهو القران و ذكر الحكمة فسمعت من ارضى من اهل العلم با لقرآن يقول الحكمة سنة رسول الله ﷺ —— و ذكر الله منه على خلقه بتعلمهم الكتاب والحكمة فلم يجوز ان يقال الحكمة هاهنا الاسنة رسول الله (۹۷)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جس کتاب کا ذکر فرمایا ہے، وہ قرآن ہے اور جس حکمت کا ذکر فرمایا ہے (اس کے بارے میں) میں نے قرآن کے ان اہل علم حضرات سے کہ

magazine.mohaddis.com

جنہیں میں پسند کرتا ہوں، سنا ہے کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کتاب و حکمت کی تعلیم فرما کر ان پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا کسی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہاں "حکمت" سے مراد سنتِ رسول اللہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے"

امام ابن جریر طبریؒ اپنی شاہکار تفسیر میں بہت سے اہل علم حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"الصواب من القول عندنا فی الحکمة ان العلم باحکام الله التی لایدرك علمها الابیان الرسول ﷺ والمعرفة بها ومادلّ علیها فی نظائره وهو عندی ماخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الباطل والحق" (۹۸)

"یعنی ہمارے نزدیک درست بات یہ ہے کہ حکمت سے مراد اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا علم ہے کہ جن کے علم کا اور اک رسول اللہ ﷺ کے بیان اور اس کی معرفت کے بغیر ممکن نہ ہو اور جو چیز اس کے نظائر میں اس پر دلالت کرتی ہے وہ میرے نزدیک یہ ہے کہ حکمت حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل کے درمیان فصل و تمیز کے ہیں"

امام شافعی اپنی کتاب "الامّ" میں سورۃ الجمعہ کی آیت ۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴ وغیرہ کے تحت فرماتے ہیں:

"ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں "الکتاب" سے مراد کتاب اللہ ہے، لیکن الحکمة کیا چیز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد رسول اللہ کی سنت ہے" (۹۹)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے: ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ کے بارے میں حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "من القرآن والسنة" اور سعید بن عروبہ نے اس آیت کے متعلق قتادہ سے نقل کیا ہے کہ "یرید السنة یمنّ علیهن بذلك" اور حذلی نے آیت ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ کی تفسیر میں حضرت حسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "الکتاب" سے مراد قرآن اور الحکمة سے مراد سنت ہے" (۱۰۰)

مشہور اور متداول تفسیر "الجلالین" میں بھی الحکمة کی تفسیر میں متعدد مقامات پر "السنة" اور "مافیہ من الاحکام" ہی درج ہے۔ (۱۰۱) ـــــ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"ان الله سبحانه و تعالی انزل علی رسوله وَحیین وأوجب علی عباده الایمان بهما والعمل بما فیهما وهما الکتاب والحکمة وقال: ﴿ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ وقال تعالی ﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ وقال

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تعالیٰ ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ ——
والكتاب هو القرآن والحكمة هي السنة باتفاق السلف وما اخبر الرسول عن الله فهو في وجوب تصديقه والايمان به كما أخبر به الرب تعالى على لسان رسوله —— هذا اصل متفق عليه بين اهل الاسلام لاينكره الا من ليس منهم وقد قال النبي ﷺ :انی اُوتيت الكتاب و مثله معه" (۱۰۲)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں۔ (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جاچکی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تنزیل و تعلیم کا ذکر اور ان کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے۔ ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں:) —— کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماعِ سلف سنت مراد ہے۔ رسولؐ نے اللہ سے حاصل کرکے جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی، دونوں واجبُ التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس کا انکار وہی کرے گا جو اُن میں سے نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے یعنی سنت"

محترم مفتی محمد شفیع صاحب سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مفسرین صحابہ و تابعین جو معانیِ قرآن کی تشریح آں حضرت ﷺ سے سیکھ کر کرتے ہیں، اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے، یعنی سنتِ رسول اللہ ﷺ —— امامِ تفسیرؒ ابن کثیرؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت قتادہؒ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علمِ احکام شرعیہ کہا، اور کسی نے کہا کہ ایسے احکامِ الٰہیہ کا علم جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہوسکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث و سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے" (۱۰۳)

آں رحمہ اللہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴ کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں:

"آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنتِ رسول ہے جیساکہ عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر اس جگہ سنت سے کی ہے" (۱۰۴)

اور سورۃ الجمعہ کی آیت:۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تیسرا مقصد ﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ کتاب سے مراد قرآن کریم اور

magazine.mohaddis.com

حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہیں۔ اسی لئے بہت سے حضرات مفسرین نے یہاں حکمت کی تفسیر سنت سے فرمائی ہے۔" (۱۰۵)

اور جناب حبیبُ الرحمٰن اعظمی فرماتے ہیں:

"کتاب و سنت کے انہی نصوص کی بناء پر تمام ائمہ و علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ یعلّمھم الکتاب والحکمۃ اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمت کا لفظ وارد ہوا ہے، اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحیِ الٰہی کی ایک قسم ہے (۱۰۶)

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی "الکتاب" کے ساتھ لفظ الحکمۃ مذکور ہے اس کا اطلاق نہ "الکتاب" پر ممکن ہے اور نہ "الکتاب" کا الحکمۃ پر۔ لہٰذا "الکتاب" سے مراد بلاشبہ قرآن ہے جو کہ مُعجزِ الٰہی کلام ہے اور الحکمۃ سے مراد سنتِ نبوی ہے جو انسان میں معرفتِ حقائق اور فکر و عمل کی صحیح راہ کی تعیین کی صلاحیت پیدا کرتی ہے، واللہ اعلم

مگر جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے نزدیک "حکمت" قرآن کا ہی ایک جزو ہے ——

چنانچہ لکھتے ہیں:

"حکمت کے متعلق ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ حکمت، قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کتاب الٰہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے، اسی طرح حکمت پر بھی مشتمل ہے۔ لیکن ہمارا یہ دعویٰ ان لوگوں کے خیال کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں اور چونکہ یہ مذہب بعض اکابر ملت، مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ کا بھی ہے اس وجہ سے اس کو نظرانداز کرنا مشکل ہے، لہٰذا دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ حکمت سے حدیث مراد لیتے ہیں، ان کی دلیل کیا ہے؟ ان کی دلیل یہ ہے کہ حکمت کا لفظ مندرجہ صدر آیت میں کتاب کے لفظ کے ساتھ آیا ہے۔ کتاب سے یہ لوگ قرآن مجید، باعتبار مجموعی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ حکمت سے کوئی اور چیز مراد لیں اور قرآن کے بعد ظاہر ہے کہ حدیث کے سوا کوئی دوسری چیز اس لفظ کا مدلول نہیں بن سکتی۔ لیکن اوپر کے مباحث سے یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ یہ استدلال کچھ مضبوط نہیں ہے۔ آیتِ مذکورہ میں، جیسا کہ ہم نے تشریح کی ہے، کتاب سے مراد احکام و قوانین ہیں، اس لیے حکمت کے لئے خود قرآن میں کافی گنجائش ہے۔ اس سے حدیث یا قرآن سے خارج کسی اور شئے کو مراد لینا کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حدیث میں بھی حکمت ہے۔ حدیث کا رُتبہ بہت بلند ہے۔ وہ امت کے لئے قرآن کے بعد دوسری چیز ہے۔ اس میں خود حکمتِ قرآن کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے، پھر اگر حدیث میں حکمت نہ ہوگی تو کہاں ہوگی؟ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

حکمت سے مراد حدیث ہے۔ مختلف وجوہ اور قرائن اس کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کرتے ہیں:

(۱) متعدد آیات میں حکمت کے لئے یُتْلٰی، اَنزل اور اَوحی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال حدیث کے لئے قرآن میں کہیں نہیں ہوا ہے۔ مثلاً (پھر آں محترم سورۃ النساء کی آیت ۱۱۳، سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴ اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۹ نقل فرماتے ہیں)

(۲) مختلف مواقع پر قرآن مجید کے دلائل و براہین کو حکمتِ بالغہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور خود قرآن کو قرآن حکیم اور کتاب حکیم وغیرہ کہا گیا ہے مثلاً ﴿ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ﴾ —— (نہایت دلنشیں حکمت) (۱۰۷) اور ﴿ وَ الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ﴾ (۱۰۸) —— (شاہد ہے ہر حکمت قرآن) —— (پھر آں محترم سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۰ اور سورۃ الزخرف کی آیت ۶۳ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:)

اِن وجوہ کی بنا پر حکمت سے صرف حدیث کو مراد لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ حدیث حکمت میں شامل ہے۔ یہ غلط فہمی کتاب اور حکمت، دونوں لفظوں کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، لیکن ہم نے جو پہلو واضح کئے ہیں، ان کی روشنی میں دونوں کے حدود الگ الگ ہو جاتے ہیں، جس کے بعد یہ غلط فہمی باقی نہیں رہتی" (۱۰۹)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی تمام آیات، احکامِ الٰہی اور حکمت سے بھرپور ہیں لیکن جن آیات کو اوپر پیش کیا گیا ہے ان میں "الکتاب" اور الحکمۃ دونوں کو حرف عطف "واؤ" کے ساتھ جوڑا گیا ہے جس میں "الکتاب" کی طرح الحکمۃ کی بھی ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔ حکمت تو ایک قدر مشترک ہے جو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ (یا سنت) دونوں میں موجود ہے۔ پس جس طرح سنت میں معارفِ قرآن کی موجودگی قرآن کی جداگانہ حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتی، اسی طرح قرآن کے پُر حکمت اور حکیم ہونے سے الحکمۃ کی مستقل اور علیحدہ حیثیت کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

جناب اصلاحی صاحب کو بظاہر "الکتاب" سے "قرآن مجید باعتبار مجموعی" مراد لینے پر بھی اعتراض ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر "الکتاب" سے "قرآن مجید باعتبار مجموعی" مراد نہ لیا جائے تو لامحالہ اس میں احادیث کو بھی داخل و شامل سمجھنا پڑے گا کیونکہ خود بقول اصلاحی صاحب "حدیث حکمت میں شامل ہے" —— نیز "اس میں (خود) حکمتِ قرآن کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے، پھر اگر حدیث میں حکمت نہ ہوگی تو کہاں ہوگی؟" اور "حکمت" کے متعلق آں محترم پہلے ہی فرما چکے ہیں کہ "کتابِ الٰہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے، اسی طرح حکمت پر بھی

magazine.mohaddis.com

مشتمل ہے" ـــــ لیکن جمہور امت میں سے کوئی بھی سنت کے داخل و شاملِ قرآن ہونے کا قائل نہیں ہے۔

جناب اصلاحی کا یہ دعویٰ بھی اور دوسرے بہت سے علماء کی طرح غلط ہے کہ "وہ (سنت) اُمت کے لئے قرآن کے بعد دوسری چیز ہے" لیکن یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، عنوان "اصولِ شریعت میں سنت کی ثانوی حیثیت ناقابل قبول ہے" کے تحت اس بارے میں سیر حاصل بحث موجود ہے۔

جناب اصلاحی صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ حدیث کے لئے قرآن میں بُتلی، اَنزل اور اَوحی کے لئے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ اس دعویٰ کے بطلان پر ہم مولانا موصوف کو سورۃ النجم کی آیات: ۳، ۴ پڑھنے کا مشورہ دیں گے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ یعنی "رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں فرماتے۔ آپ کا ہر ارشاد وحی ہوتی ہے، جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے" ـــــ اور کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو ہی حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے وحی ہونے کے متعلق تفصیل "سنتِ نبوی بھی وحی پر مبنی ہے" کے زیرِ عنوان آگے بیان کی جائے گی۔

یہاں پر بعض لوگ یہ مغالطہ بھی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں: ﴿ وَ لَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ﴾ [110] ـــــ یعنی "ہم نے لقمان کو حکمت دی" تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ لقمان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں دی گئی تھیں؟" ـــــ لیکن یہ اعتراض کج بحثی کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ ہم نے اوپر واضح کردیا ہے کہ قرآن میں مذکورہ لفظ "الحکمۃ" کے معنی علی الاطلاق سنتِ نبوی کے نہیں ہیں بلکہ جہاں الکتاب کے ساتھ الحکمۃ کا تذکرہ ہے، وہاں "الحکمۃ" سے مراد اسوۂ نبوی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ سورۃ الاحزاب: ۳۴ میں ﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ ... الخ" سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت قرآن میں شامل ہے ورنہ احادیث کی تلاوت کون کرتا ہے؟ ـــــ لیکن یہاں اردو میں رائج لفظ "تلاوت" کے مفہوم کو آیتِ مذکورہ پر منطبق کرنے سے یہ مغالطہ پیدا ہوا ہے۔ عربی لغت میں "تلاوت" کے معنی کسی چیز کو پڑھنے اور پیروی کرنے کے ہیں جبکہ اردو زبان میں اسے خاص طور پر قرآن کریم پڑھنے کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں لفظ "تلاوت" کو غیر قرآن کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ﴾ [111] یعنی "انہوں نے اس چیز کی اتباع کی جو شیاطین عہدِ سلیمان میں پڑھا کرتے تھے" اور ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [112] ـــــ یعنی "فرما دیجئے کہ پھر

magazine.mohaddis.com

تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو"

پس ثابت ہوا کہ جناب اصلاحی صاحب وغیرہ نے اپنے مذکورہ بالا "دعویٰ" کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں، وہ کچھ زیادہ قوی نہیں ہیں۔ اپنے منفرد موقف کی کمزوری کا خود انہیں بھی احساس تھا چنانچہ لکھتے ہیں: "..... اس وجہ سے اس کو نظرانداز کرنا مشکل ہے۔" آگے چل کر جناب اصلاحی صاحب نے فرمایا ہے کہ "یہ غلط فہمی کتاب اور حکمت، دونوں لفظوں کے اکٹھے ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ..... الخ" —— لیکن یہ بات بھی درست نہیں ہے کیونکہ اصلاً غلط فہمی کتاب و حکمت کے اکٹھے ہو جانے کے باعث نہیں بلکہ جناب اصلاحی صاحب کے استاذ و مُرشد محترم حمید الدین فراہی صاحب کی "مُفردات القرآن" کی درج ذیل عبارت سے واقع ہوئی ہے:

"—— ثم استعملها الله تعالى في اكمل افرادها فسمى الوحي حكمة كما سمّاه نورا و برهانا وذكرا و رحمة ومن هذه الجهة سمى القرآن حكيما اى ذا حكمة كما سمّى نفسه حكيما و عليما" (۱۱۳)

"پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے اعلیٰ ترین مفہوم کے لئے استعمال کیا، یعنی وحی کے لئے۔ وحی کو جس طرح نور، برہان، ذکر، رحمت وغیرہ کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح اس کو حکمت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے اور اس پہلو سے قرآن مجید کا نام حکیم رکھا جس طرح اپنی ذات کے لئے حکیم و علیم کے الفاظ استعمال کئے"

خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں جناب اصلاحی صاحب کی منفرد رائے قطعاً ناقابل قبول ہے۔ صحیح مسلک وہی ہے جو حضرت قتادہ، سعید بن عروبہ، حذلی، حسن بصری، ابن جریر الطبری، امام شافعی، ابن عبدالبر، سیوطی اور ابن کثیرؒ وغیرہم سے منقول ہے، واللہ اعلم

سنتِ نبوی بھی وحی پر مبنی ہے

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں کسی مؤمن کو قطعاً کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی شک ہے کہ آں ﷺ امتِ مسلمہ کے ہادیِ اعظم اور قائدِ اعظم ہونے کے ساتھ قرآن کریم کے شارح و مفسر بھی تھے۔ آپ کو دین سماوی کی تکمیل، تعلیم، ترویج، تبلیغ اور اشاعت کے ساتھ پوری انسانیت کی فوز و فلاح اور خیر و نفع کے لئے بھی مبعوث فرمایا گیا تھا۔ پس جب دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، قرآن کریم اس دین کی ایک اہم بنیاد ہے اور نبی ﷺ کو اس کی شرح اور جزئیات دین کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ہی مبعوث فرمایا گیا ہے تو آپ کی بیان کردہ قرآن کی شرح اور دین کی تعلیمات کو غیر اللہ کی جانب سے سمجھنا کوئی معقول بات

magazine.mohaddis.com

نہیں ہے۔ دین اسلام جو تمام بشر کے لئے فلاحِ دارین کا ضامن ہے، اصلاً دو بنیادی اصول پر قائم ہے: قرآن اور اس کی تشریح و بیان جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے عبارت ہے۔ اگر قرآن کریم کے ساتھ اس جز کو شامل نہ کیا جائے تو بلاشبہ دین نامکمل رہتا ہے، پس تکمیلِ دین کا تقاضہ ہے کہ جن چیزوں کا صدور رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے، وہ بھی وحیِ الٰہی پر مبنی ہوں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۱۱۴)

"رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں فرماتے۔ آپ کا ارشاد نری وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے"

اس چیز پر اور بھی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں چنانچہ اجماعِ امت سے جو چیز حاصل اور ثابت ہے وہ یہ ہے کہ سنت بھی وحی ہے۔ جو چیز قرآن اور سنت میں امتیاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مُعجز متلو ہے اور سنت غیر متلو ہے۔ ہم ذیل میں چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے سنت کا وحی منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ (۱۱۵)

"اور جس قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ (ﷺ) کی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے اور یہ (تحویلِ قبلہ منحرف لوگوں پر) بڑا ثقیل ہے مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ ہم بار بار آپ کے منہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جسے کے لئے آپ کی مرضی ہے۔ پس اپنا چہرہ (حالتِ نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی طرف کیا کرو"

اس آیت میں لفظ "جعلنا" ہمیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ کعبۃ اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنائے جانے سے قبل (یعنی مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں) رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنے پر مامور تھے لیکن قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شعبہ علمی و تحقیقی کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اللہ تعالیٰ نے مسجد الحرام کو قبلہ بنانے سے قبل آپ کو بیت المقدس کی جانب متوجہ ہونے کا حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آں ﷺ کے پاس وحی آتی تھی جس کے ذریعہ آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

(۲) قرآن کریم میں ہے: ﴿ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴾ (۱۱۶)

"اور جبکہ نبی ﷺ نے کسی وجہ سے اپنی ایک بات چپکے سے فرمائی مگر جب آپ کی اس زوجہ نے وہ بات (دوسری بیویوں کو) بتادی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے باخبر کردیا تو آپ نے (اس راز ظاہر کرنے والی بیوی کو) تھوڑی سی بات جتلا دی اور تھوڑی سی بات ٹال گئے۔ جب آپ ﷺ نے اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگی آپ کو کس نے خبر کردی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے علیم (یعنی بڑے جاننے والے) اور خبیر (یعنی بڑی خبر رکھنے والے) نے مطلع کیا ہے"

لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں بھی علیم و خبیر کا اپنے نبی کو اس بات سے مطلع کرنا مذکور نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی اس زوجہ نے آپ ﷺ کا راز دوسری بیویوں کو بھی بتادیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ کے پاس وحی آتی تھی جس کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس واقعہ سے باخبر کیا گیا تھا۔

(۳) اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ (۱۱۷)

"جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹے یا ان کو جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہی حکم (اور رضا) کے مطابق ہے"

لیکن مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودی قبیلہ بنو نضیر کی بدعہدی کے نتیجہ میں کی جانے والی اس تادیبی کاروائی میں جس "اذنِ الٰہی" کا تذکرہ ہے وہ قرآن کریم میں کہیں مذکورہ نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "ولا نجد فی القرآن ذلک الاذن فثبت قطعیا ان الرسول ﷺ کان یأتیہ الوحی ایضا کما قلنا سابقا" (۱۱۸)

(۴) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ﴾ (۱۱۹)

"پس جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کردیا تاکہ مسلمانوں

magazine.mohaddis.com

پر اپنے منہ بولے بیٹوں بیٹیوں کے (نکاح کے) بارے میں کچھ تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے اپنا جی بھر چکیں"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب (سابقہ زوجہ حضرت زید بن حارثہ) سے شادی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کی تھی لیکن قرآن میں یہ اِذن کہیں مذکور نہیں ہے۔ البتہ مختلف احادیث میں بصراحت مذکور ہے کہ نبی ﷺ کی یہ شادی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی ہوئی تھی۔ (۱۲۰)

(۵) اور فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ- فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴾ (۱۲۱)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تمہیں کچھ سمجھ ہو۔ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولیت کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ ایسے مشاغل اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ ہی سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے"

اس آیت کی تفسیر میں جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے:

"جمعہ کی نماز، اس کی اذان اور اس کے خطبہ سے متعلق یہاں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں اور ان کی ایک غلطی پر جس طرح تنبیہ کی گئی ہے، اس کا انداز شاہد ہے کہ جمعہ کے قیام سے متعلق ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام پائی ہیں، حالانکہ قرآن میں کہیں بھی جمعہ کا کوئی ذکر نہ اس سے پہلے آیا ہے نہ اس کے بعد ہے، بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس کے قیام کا اہتمام ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ نے فرمایا اور لوگوں کو آپ ہی نے اس کے احکام و آداب کی تعلیم دی۔ پھر جب لوگوں سے اس کے آداب ملحوظ رکھنے میں کوتاہی ہوئی تو اس پر قرآن نے اس طرح گرفت فرمائی گویا براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے احکام و آداب کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسولؐ کے دیئے ہوئے احکام بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو، رسول کی طرف نسبت کی تحقیق تو ضروری ہے، لیکن اگر ثابت ہے تو انکار خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے" (۱۲۲)

(۶) اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (۱۲۳)

"اور جب نماز کے لئے پکارتے ہو (اذان) تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بالکل عقل نہیں رکھتے"

مذکورہ بالا آیت نمبر۵ اور آیت نمبر۶ سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے بھی اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے رائج تھی لیکن قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں بتائی جاسکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو۔

(۷) ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ﴾ (۱۲۴)

"اور ان میں کوئی مرجائے تو اس پر کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھیئے"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے قبل ہی نماز جنازہ مشروع ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ اموات کے جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ قرآن میں نازل ہونے والی اس سے پہلے کوئی آیت نہیں بتائی جاسکتی جس میں نبی ﷺ کو یا مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

(۸) اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ (۱۲۵)

"اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی"

کیا بغیر احادیث کی مدد کے کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ دو جماعتیں کون تھیں اور اللہ تعالیٰ جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے، وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں مذکور ہے؟ اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن بخوفِ طوالت ہم صرف ان چند مثالوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اب ذیل میں سنتِ نبوی کے وحی من عنداللہ ہونے کے بارے میں بعض احادیث و آثار ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

magazine.mohaddis.com

"الا انی اوتیت القرآن و مثله معه، الا یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه وان ماحرم رسول الله کما حرم الله" (۱۲۶)

"آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک اور چیز۔ عنقریب ایک سیر شکم آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھامے رہو۔ جو چیز اس میں حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو لیکن خبردار رہو کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی مانند حرام ہے"

اس حدیث میں آں ﷺ کا یہ فرمانا کہ "مجھے کتاب جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے" کے معنی یہ ہیں کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح و تفسیر بھی بارگاہِ الٰہی سے عطا کی گئی ہے۔ اسی کے پیش نظر آپ ﷺ قرآنی آیات کی تخصیص فرماتے، ان کی تشریح و توضیح فرماتے، بعض احکام کو منسوخ فرماتے اور اس کے بعض احکام پر اضافہ فرماتے تھے۔ پس آں ﷺ کی بیان کردہ تفسیر قرآن اسی طرح واجب العمل اور لازم القبول ہوئی جس طرح کہ قرآن کریم واجبُ العمل اور لازم القبول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب و لزوم، سنت کے وحی ہونے کے باعث ہی ہے۔ اسی حدیث میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ وحی متلو کے علاوہ مجھے وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے۔ اس کی تائید آیت: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾ سے ہوتی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ:

"هذا الحدیث یحتمل وجهین: احدهما انه اُوتی من الوحی الباطن غیر المتلو مثل ما اُوتی من الظاهر المتلو والثانی ان معناه انه اُوتی الکتاب وحیا یتلی واُوتی مثله من البیان ای اذن له ان یبین ما فی الکتاب فیعم و یخص وان یزید علیه فیشرع مالیس فی الکتاب له ذکر فیکون ذلک فی وجوب الحکم ولزوم العمل به کالظاهر المتلو من القرآن" (۱۲۷)

اور اسی طرح اس حدیث میں "مثله معه" کی تشریح میں علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: (۱۲۸)

"معناه علی وجهین انه اوتی من الوحی الباطن غیر المتلو مثل ما اوتی من الظاهر المتلو۔ اوتی الکتاب وحیا یُتلی و اوتی مثله من البیان ای اذن له ان یعم و یخص وان یزید علیه وان یشرع مالیس فی الکتاب له ذکر فیکون ذلک فی وجوب الحکم و لزوم العمل کالظاهر المتلو من القرآن یعنی اوتیت القرآن واحکاما و مواعظ وامثالا تماثل القرآن فی کونها واجبة القبول او فی المقدار، فیه ردعلی الخوارج والروافض تعلقوا بظاهر

magazine.mohaddis.com

القرآن و ترکوا السنن التی قد ضمنت ببیان الکتب فتحیّروا و ضلّوا"

"حدیث کے مثل قرآن ہونے کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے: اولاً جس طرح آپؐ کو وحی متلو عطا ہوئی، اسی طرح آپؐ کو وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے۔ ثانیاً آپؐ کو الکتاب بطور وحی دی گئی ہے۔ اس کے مثل آپ کو بیان و شرح پر مشتمل وحی بھی عطا ہوئی ہے یعنی آپؐ کو اجازت دی گئی ہے کہ آپؐ قرآن کے عموم کو خاص اور خصوص کو عام قرار دیں، قرآن سے زائد احکام بیان فرمائیں اور جن امور کا قرآن میں ذکر نہیں ہے، ان کو قانونی طور سے اُمت پر نافذ کریں۔ یہ مماثلت وجوبِ حکم اور لزومِ عمل کی بنا پر ہے یعنی مَیں قرآن دیا گیا ہوں اور احکام، مواعظ اور اُمثال بھی دیا گیا ہوں جن کا قبول کرنا قرآن کی طرح ہی لازم ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدار کے اعتبار سے مماثلت مراد ہو۔ اس میں ان خوارج و روافض کا ردّ موجود ہے جنہوں نے قرآن کے ظاہری الفاظ کو لے لیا اور قرآن کی تشریحات پر مشتمل سنن کو ترک کردیا اور گمراہی میں جا پڑے"

شارح سنن ابوداؤد، علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے بھی "مثلہٗ معہ" کی شرح میں تقریباً یہی بات تحریر فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ای الوحی الباطن غیر المتلو او تاویل الوحی الظاهر و بیا نه تعمیم و تخصیص و زیادة و نقص او احکاما و مواعظ امثا لا تماثل القرآن فی وجوب العمل او فی المقدار" (۱۲۹)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: (۱۳۰)

"مذکورہ صدر حدیث میں اس سنتِ نبوی کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے جس پر آں ﷺ نے عمل فرمایا ہو مگر قرآن میں اس کا تذکرہ نہ ہو۔ خوارج اور شیعہ وغیرہ کے گمراہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ظواہر قرآن سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اور احادیثِ نبویہ کو ترک کرتے ہیں جن میں قرآن کریم کی شرح و تفسیر درج ہوتی ہے"

(۲) عبید اللہ ابن ابی رافع، اپنے والد سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا اُلفین اَحدکم متکئا علی اَریکته یأتیه الامر من اَمری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا اَدری ما وجدناه فی کتاب الله اتبعناه" (۱۳۱)

"میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسہری پر مسند نشین ہو اور اس کے پاس جب میرے احکام میں سے کوئی امر یا نہی پہنچے تو وہ کہہ دے کہ میں اُنہیں نہیں جانتا۔ ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا ہے، ہم صرف اسی کی اتباع کرتے ہیں"

magazine.mohaddis.com

واضح رہے کہ بقول علامہ خطابیؒ : ابو رافع (مولی رسول اللہ ﷺ) اور مقدام بن معدیکرب کی مذکورہ بالا دونوں روایتیں متعدد کتبِ حدیث میں درج ہیں اور ان کی اسناد پر محدثین نے اعتماد کیا ہے" (۱۳۲)

(۳) شامی ثقہ تابعی حضرت حسان بن عطیہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ:

"کان جبریل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ ﷺ بالسنۃ کما ینزل علیہ با لقرآن و یعلمہ کما یعلّمہ القرآن" (۱۳۳)

"جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح کہ آپ پر قرآن لے کر نازل ہوا کرتے تھے اور آپؐ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن سکھاتے تھے" امام داریؒ نے اسے یحییٰ بن کثیر سے تخریج کیا ہے (۱۳۴) ـــــ امام شاطبیؒ نے امام اوزاعیؒ سے نقل کیا ہے: "کان الوحی ینزل علی رسول اللہ ﷺ ویحضرہ جبریل بالسنۃ التی تفسیر ذلک" (الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۲۶) یعنی "رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبریل علیہ السلام آپ کے پاس لے کر آتے تھے جو اس (وحی) کی تفسیر کردیتی تھی"

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: (۱۳۵)

"کان جبریل ینزل با لقرآن والسنۃ و یعلمہ ایاھا کما یعلمہ القرآن"

امام مروزیؒ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

"کان جبریل اذا نزل با لقرآن علی النبی ﷺ یأخذہ بالغشوۃ فیلقیہ علی قلبہ فیسری عنہ وقد حفظہ فیقروہ واما السنن فکان یعلّمہ جبریل ویشافھہ بہ" (۱۳۶)

(۴) مکحول سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اتانی اللہ القرآن ومن الحکمۃ مثلیہ" (۱۳۷)

"مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور اس کے مثل دو چند حکمت بھی (عطا کی ہے)"

(۵) ابن شہاب نے عن الاعرج عن ابی ہریرہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیات موجود نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا (پھر آپؓ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:) ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ اور ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى ﴾ (۱۳۸)

اس حدیث سے حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک سنت رسول اللہ کا وحی اور منزل من اللہ ہونا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملک اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ثابت ہوا۔

(۶) عامر بن سیاف کا قول ہے کہ میں نے امام اوزاعی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ:

"اذا بلغک عن رسول اللہ ﷺ حدیث فایاک ان تقول بغیرہ فانہ کان مبلغا عن اللہ" (۱۳۹)

"اگر تیرے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے تو تجھے چاہئے کہ اس کے خلاف یا اس کے علاوہ کچھ کہنے سے پرہیز کرے کیونکہ وہ حدیث دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبلغ ہے"

(۷) امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اپنی "صحیح" میں ایک باب یوں باندھا ہے: ما کان النبی ﷺ یُسأل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول: لا ادری اولم یُجبْ حتی ینزل علیہ الوحی" (۱۴۰) اور اس باب کے تحت دو حدیثیں درج فرمائی ہیں جو موضوع زیر بحث پر صریح نص کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ حدیثیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "سئل النبی ﷺ عن الروح فسکت حتی نزلت الایۃ" یعنی "نبی ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ خاموش ہوگئے حتی کہ آپ پر آیت ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ نازل ہوئی"۔

نوٹ: حضرت ابن مسعودؓ کی یہ حدیث مفصلاً باب "مایکرہ من کثرۃ السؤال ومن تکلف مالا یعنیہ وقولہ تعالی: ﴿ لَا تَسْأَلُوا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ کے تحت درج ہے۔ (۱۴۱)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی اپنے مرضُ الموت میں آں ﷺ سے اپنا مال تقسیم کرنے کے بارے میں استفسار والی حدیث جس میں واضح طور پر مذکور ہے: "فما اجابنی بشئی حتی نزلت آیۃ المیراث" یعنی نبی ﷺ نے مجھے قطعاً کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آیتِ میراث نازل ہوئی"

(۸) اسی طرح بعض دوسری احادیث میں بھی مذکور ہے مثلاً یعلیٰ بن امیہ کی حدیث کہ جس میں آں ﷺ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا تھا جبکہ وہ جبّہ میں ملبوس تھے تو نبی ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا تھا حتیٰ کہ وحی آئی پھر آپ نے اس کا جواب دیا" (۱۴۲)

(۹) "قصۃ العسیف" میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ "کیا میں تم دونوں کے مابین کتاب اللہ یعنی "اس کی وحی اور اس کے مثل چیز (یعنی سنت) سے فیصلہ نہ کروں؟" (۱۴۳)

(۱۰) حضرت جریر بن مطعم سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے

magazine.mohaddis.com

دریافت کیا کہ:

"یارسول اللہ آی البلدان احب الی اللہ وآی البلدان ابغض الی اللہ؟"

یعنی اے رسول اللہ ﷺ شہروں میں کون سی جگہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ اور کون سی جگہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "لا ادری حتی اسأل جبریل" مجھے معلوم نہیں حتی کہ میں جبریل سے پوچھوں" پھر جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں میں مساجد کا حصہ محبوب ترین ہے اور بازاروں کا حصہ مغضوب ترین ہے" (۱۴۴)

(۱۱) امام ابن حزم اندلسیؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابن وھب سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا:

"کان رسول اللہ ﷺ یسأل عن الشئی فلایجیب حتی یأتیہ الوحی من السماء" (۱۴۵)

"یعنی اگر رسول اللہ ﷺ سے کسی بارہ میں کوئی سوال پوچھا جاتا تو آں ﷺ اس کا جواب نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آجاتی"

لیکن اس کے برخلاف جناب حمید الدین فراہی صاحب "مقدمہ نظام القرآن" کی فصل بعنوان "معروف و منکر" میں لکھتے ہیں:

"نبی کی روح بیدار خود بھی معروف و منکر کی شناخت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ جن چیزوں کے بارے میں وحی کی رہنمائی موجود نہیں ہوتی، ان میں وہ اپنے الہام سے امت کو کوئی حکم اس وقت تک کے لئے دے دیتا ہے جب تک وحی نہ آجائے اور یہ کام اس کے منصب کا ایک قدرتی جزو ہوتا ہے" (۱۴۶)

جناب فراہی صاحب "احکام الاصول" میں مزید لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن مجید کی جہتِ مکنون کی طرف بھی رہنمائی فرمائی تھی۔ اس نے اس روح سے نبی کے قلب کو زندگی بخشی اور اس نور کی ہدایت دے کر آپ کو وہ علم بخشا جو آپ کو پہلے حاصل نہ تھا اس لئے آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کو سنت کی مستقل بنیاد سمجھا جائے گا" (۱۴۷)

اور فرماتے ہیں:

"رسول اللہ کا حکم یکساں طور پر از حکمت ہوتا ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کی بنیاد پر ہو یا اس نور و حکمت کے مطابق جس سے خدا نے آپ کا سینہ بھر دیا تھا۔" (۱۴۸)

ان اقتباسات سے جناب خالد مسعود (مدیر "تدبر" لاہور) یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

"ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا فراہی کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن حکیم کی تبیین تھا۔اس منصب کا تقاضا یہ بھی تھا کہ آپ اپنی روح اور نور و حکمت کے باعث، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، قرآن حکیم کے احکام کے علاوہ اپنے طور پر احکام دے سکتے تھے اور ان کی حیثیت وہی ہوتی جو وحی کے احکام کی ہوتی۔ یہی احکام ہیں جن سے سنتِ رسول ﷺ عبارت ہے..... الخ" (۱۴۹)

غالباً جناب فراہی صاحب اور ان کے ہم فکر حضرات کا ماخذ ملا علی قاری وغیرہ کا یہ قول ہے:

"بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام مجتہد تھے اور آپ ﷺ کا اجتہاد بھی بمنزلہ وحی ہوتا تھا تاکہ آپ غلطی نہ کرسکیں۔اس کے باوجود بھی اگر کبھی کوئی خطا ہوجاتی تو آپ کو برخلاف دوسروں کے اس پر خبردار کردیا جاتا تھا۔" (۱۵۰)

جبکہ جملہ محدثین بالخصوص امام ابن حزم اندلسیؒ وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ:

(۱۲) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے متعلق فرماتا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ کہنے کا حکم دیا: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ —— ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر ارشاد دین میں داخل اور اللہ عزوجل کی جانب سے بھیجی گئی وحی ہے۔اس بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ اس بارے میں کسی اہل لغت یا کسی اہل شریعت نے اختلاف کیا ہے کہ اللہ عزوجل کی جانب سے نازل ہونے والی ہر وحی ذکرِ منزل ہے۔

اور "البیان" یعنی بیانُ القرآن کلام سے عبارت ہے۔پس جب نبی ﷺ قرآن کی تلاوت فرماتے تو اس کی تشریح و بیان بھی فرماتے۔اگر قرآن کا کوئی حکم مجمل ہوتا جس کے معنی الفاظ سے پوری طرح سمجھ میں نہ آسکتے ہوں تو موصولہ وحی کے ذریعہ اس کی توضیح فرماتے خواہ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہے: ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ قرآن کی بیان و توضیح اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔پس اگر یہ اس کے ذمہ ہی ہے تو نبی ﷺ کا اس کو بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی جانب ہی سے ہوا۔پس قرآن اور اس کی تفسیر ہر چیز خواہ متلو ہو یا غیر متلو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی وحی ہوتی ہے" (۱۵۱)

(۱۳) علامہ حازمیؒ (۵۸۴ھ) فرماتے ہیں:

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"جبریل علیہ السلام سنت بھی لے کر نازل ہوتے اور اسے رسول اللہ ﷺ کو سکھاتے تھے، چنانچہ آپ ایسی کوئی بات نہیں کہتے تھے جو تنزیل کے خلاف ہو الا یہ کہ آپ کا سابقہ کوئی قول تنزیل کے ذریعہ منسوخ ہو چکا ہو۔ پس تنزیل کا معنی رسول اللہ ﷺ کا ہر وہ قول ہے جو باسنادِ صحیح آپؐ سے ثابت ہو" (۱۵۲)

(۱۴) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آیت: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"فَالْكِتَابُ مَا يُتْلٰى وَالْحِكْمَةُ السُّنَّةُ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ عَنِ اللّٰهِ بِغَيْرِ تِلَاوَةٍ"

یعنی "کتاب" وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور "حکمت" سنت ہے جو کہ بصورتِ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر تلاوت کے آئی ہے" (۱۵۳)

(۱۵) امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے امام الحرمین الجوینیؒ (۴۸۷ھ) سے نقل کیا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کا کلام دو قسموں میں نازل ہوا ہے۔ ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام، کہ جن کو نبی ﷺ کی طرف بھیجا جاتا تھا، سے فرمایا کہ نبی ﷺ سے کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِس طرح کرو، یا اللہ تعالیٰ نے اِس اِس طرح حکم دیا ہے۔ پس جبریل علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کو سمجھا اور اس کو لے کر نبی ﷺ پر نازل ہوئے اور ان سے اپنے رب کا ارشاد بیان کیا۔ لیکن اس کے لئے کوئی عبارت مخصوص نہ ہوتی تھی، مثال کے طور پر بادشاہ یہ کہے کہ "فلاں سے کہو کہ ملک نے تیرے لیے یہ حکم دیا ہے": اِجتهد فی الخدمة واجمع جندك للقتال"، تو رسول اللہ ﷺ اسی بات کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمائیں: ملک نے کہا ہے کہ: "لا تتهاون فی خدمتی ولا تترك الجند تتفرق وحثّهم علی المقاتلة" ـــــ تو آں ﷺ کا یہ ارشاد نہ کذب پر محمول ہوگا اور نہ ہی ادائیگی رسالت کی تقصیر پر۔

اور کلام اللہ کی دوسری قسم وہ ہے: جب کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو حکم دیں کہ نبی ﷺ پر یہ کتاب قرات کرو تو جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انہی کلمات کے ساتھ بلا تغییر نازل ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ملک کوئی کتاب لکھ کر اپنے امین کو یہ کہہ کر دے کہ اسے فلاں شخص کو پڑھ کر سنا دینا تو وہ اس میں کوئی بھی کلمہ یا حرف اپنی طرف سے نہیں بدلتا" (۱۵۴)

امام سیوطیؒ امام الحرمینؒ کے مندرجہ بالا کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۱۶) میں کہتا ہوں کہ ان دو قسموں میں سے قرآن کا تعلق دوسری قسم سے اور سنت کا تعلق پہلی قسم سے ہے، جیسا کہ وارد ہے کہ جبریل علیہ السلام جس طرح قرآن لے کر

magazine.mohaddis.com

نازل ہوتے تھے، اسی طرح سنت کے ساتھ بھی نازل ہوتے تھے۔ پس اس سے سنت کی بالمعنی روایت جائز ہوئی کیونکہ جبریل علیہ السلام نے اسے بالمعنی ادا فرمایا ہے لیکن قرآن کی بالمعنی قرات جائز نہیں ہے کیونکہ جبریل نے اسے باللفظ ہی ادا کیا تھا اور بالمعنی وحی کرنا جائز نہ سمجھتے تھے" (۱۵۵)

(۱۷) امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"وقول رسول اللہ ﷺ حجة لدلالة المعجزة علی صدقه ولامر اللہ تعالی ایانا باتباعه ولانه لا ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی ولکن بعض الوحی یتلی فیسمی کتابا وبعضه لا یتلی وهو السنة" (۱۵۶)

"یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول حجت ہے اس لیے کہ معجزات آپ کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور اس لیے بھی کہ آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپؐ کا کلام نرا وحی ہوتا ہے، جو کہ آپؐ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض وحی کی تلاوت کی جاتی ہے پس اس کا نام کتاب (قرآن) ہے اور بعض وحی کی تلاوت نہیں کی جاتی اور یہی سنت ہے"

(۱۸) امام مروزیؒ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی اجازت اور وحی کے ذریعہ ہی شرائع کو مشروع اور سنن کو مسنون بنایا ہے نہ کہ اپنی مرضی اور خواہشِ نفس کے مطابق، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی شہادت یوں دی ہے: (۱۵۷)

﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾

(۱۹) شیخ جمال الدین قاسمیؒ نے اپنی مشہور کتاب "قواعد التحدیث" میں جمہور محدثین کی اتباع میں ایک عنوان یوں قائم فرمایا ہے: "ماروی ان الحدیث من الوحی" (۱۵۸)

(۲۰) ابوالبقاء اپنی "کلیات" میں فرماتے ہیں:

"حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ وحی کی حیثیت سے قرآن و حدیث ایک ہی اور باہم وابستہ ہیں جس کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۱۵۹) ـــــ ان دونوں چیزوں میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ اس حیثیت سے ہے کہ حدیث کے برخلاف قرآن اعجاز و تحدی کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس کے الفاظ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں تصرف کا حق اصلاً نہ جبریل علیہ السلام کو حاصل ہے اور نہ رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو، لیکن احادیث اس بات کی متحمل تھیں کہ جبریل علیہ السلام پر ان کے حرفاً معانی نازل ہوں، جنہیں یا تو وہ عبارت کی شکل

magazine.mohaddis.com

میں رسول اللہ ﷺ کو بیان کردیں یا بذریعہ الہام آپؐ تک پہنچادیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنی فصیح عبارت میں اس کو بیان فرمادیں" (۱۶۰)

(۲۱) علامہ مفتی محمد شفیع "قرآن و سنت کی حقیقت" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"آیت نمبر ۱۱۳ یعنی ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ الخ ـــــ میں کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی داخل فرماکر اس طرح اشارہ کردیا گیا ہے کہ حکمت جو نام ہے آنحضرت ﷺ کی سنت اور تعلیمات کا، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں، اس لیے داخلِ قرآن نہیں اور معانی اس کے اور قرآن کے دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں، اس لیے دونوں پر عمل کرنا واجب ہے" (۱۶۱)

(۲۲) آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"علامہ شاطبیؒ نے موافقات میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ پوری کی پوری کتابُ اللہ کا بیان ہے، کیونکہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا ہے: ﴿ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ اور حضرت صدیقہ عائشہؓ نے اس خلقِ عظیم کی تفسیر یہ فرمائی: کان خلقه القرآن، اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بھی کوئی قول و فعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں، بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر و توضیح ہوتے ہیں، جن کو عام اہل علم جانتے ہیں، اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا مگر رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک میں بطورِ وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے، کیونکہ حسبِ تصریحِ قرآنی آپؐ کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام عبادات، معاملات، اخلاق، عادات، سب کی سب بوحیِ خداوندی اور بحکمِ قرآن ہیں، اور جہاں کہیں آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالآخر وحی الٰہی سے اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھر تائید کردی جاتی ہے۔ اس لیے وہ بھی بحکمِ وحی ہو جاتا ہے۔" (۱۶۲)

(۲۳) جناب امین احسن اصلاحی بھی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح نبی ﷺ نے احکامی آیات کے اجمالات کی وضاحت فرمائی۔ اسی طرح حکمت کے دقیق اشارات قرآن میں ہیں، ان کی وضاحت فرمائی۔ یہی چیز ہے جس کی بابت نبی ﷺ نے فرمایا: "الا انی اُوتیت القرآن ومثله معه" دیکھو، مجھے قرآن دیا گیا

ہے اور اس کے مثل اور بھی۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثلِ قرآن ہے، سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایہ قرآن ہے۔ الخ" (۱۶۳)

خلاصہ کلام یہ کہ استدلال اور اخذ مسائل کے وقت حدیثِ نبوی کا حکم بھی قرآن کریم کی طرح وحی الٰہی کا ہی ہے کیونکہ اس کا علم بھی نبی ﷺ کو اسی طرح دیا گیا ہے جس طرح کہ قرآن کا لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ جس طرح نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے، اسی طرح حدیث بھی نماز میں پڑھی جاسکتی ہے۔

جمہور امت کی متفقہ رائے کے برخلاف ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور ان کے ہم مشرب سنت نبوی کے مبنی بر وحی ہونے کے منکر ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"جو احادیث قرآن، عقل اور حقیقت کے خلاف نہیں، ہم ان کے متعلق یہ حُسنِ ظن تو رکھ سکتے ہیں، وہ غالباً اقوالِ رسول ہوں گے لیکن پورے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے" (۱۶۴) ـــــ اور

"ـــــ ہمارے لئے صاف اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ ہم صرف قرآن حکیم پر ایمان لائیں اور قرآن سے مطابق احادیث پر حُسنِ ظن رکھیں اور ظاہر ہے کہ ایک ظنی چیز کو وحی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا" (۱۶۵) ـــــ اور

"ہم صفحات گذشتہ میں کئی آیات سے واضح کرچکے ہیں کہ حضور ﷺ پر بذریعہ وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا اور آپ کا کوئی اور قول وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔ چونکہ قرآن میں صرف مہمات مسائل سے بحث کی گئی ہے اور چھوٹی موٹی تفاصیل کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لئے حضورؐ تمام غیر الہامی مسائل میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے..... الخ" (۱۶۶)

ـــــ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان تمام ہفوات کا باطل اور سبیلُ المومنین سے منحرف ہونا اوپر پیش کی گئی بحث سے از خود ظاہر ہے، لہٰذا ہم مزید تبصرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

سنتِ نبوی بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے

ہمارا یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفاظ کو قرآن محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اسی طرح حفاظِ حدیث کو بھی احادیثِ نبوی کی حفاظت کی توفیق بخشی ہے، کیونکہ اگر حدیث دین ہے تو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی حق تعالیٰ کو ہی ہونا چاہئے ورنہ دین ناقص رہ جائے گا۔ بعض لوگ بلاوجہ یہاں اس بے اطمینانی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ رواۃ اور حفاظ حدیث "بہرحال تھے تو انسان

magazine.mohaddis.com

ہی، انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں، ان کے آگے تو وہ بھی نہیں جاسکتے تھے (پس) انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان (حفاظِ حدیث) کے کام بھی محفوظ نہ تھے" (۱۶۷) ـــــ لیکن یہ اطمینانی دراصل تحفظِ دین کے بنیادی فلسفہ اور طریقہ کار سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ جس طرح اجماعِ امت میں ہر فرد محفوظ نہیں ہوتا لیکن بحیثیتِ مجموعی مجتہدین کو عصمت کا مقام حاصل ہوتا ہے، ٹھیک یہی صورت حفاظِ قرآن کی بھی ہے۔ کسی نے ان کو غیر انسان یا اللہ کی مقرر کردہ فطری حدود سے ماوراء نہیں سمجھا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی ان کی انسانی کاوشوں کو بحیثیتِ مجموعی غیر محفوظ نہیں سمجھتا، پھر کیا وجہ ہے کہ احادیثِ نبوی کو روایت کرنے والے وہی صحابہ، رواۃ اور حفاظ جنہوں نے قرآن کو بھی حفظ و نقل کیا ہے، حفظ و روایت قرآن میں تو معتبر پائے جائیں لیکن روایتِ حدیث میں انہیں مشتبہ سمجھا جائے۔ اگر وہ لوگ نقل و روایت اور ضبط و حفاظت کے معاملہ میں تحریف و تساہل کے خوگر تھے تو جس طرح ان غیر محتاط رواۃ کی روایت کردہ احادیث ناقابل اعتماد ہیں، اسی طرح ان کی روایت و نقل سے آئی ہوئی آیات اللہ (قرآن) کا بھی اعتبار باقی نہیں رہنا چاہئے، لیکن ایسا کوئی بھی شخص نہیں کہتا۔

صدیوں سال قبل ان جیسے شکوک و شبہات کا علامہ شریک بن عبداللہ نخعی القاضی (م۱۷۷ھ) نے کیا خوب جواب دیا تھا جب کہ بعض لوگوں نے آں رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ "ایک گروہ صفات کے متعلق احادیث پر شبہ کا اظہار بلکہ انکار کرتا ہے" یہ سن کر شریک بن عبداللہ نخعیؒ نے پوچھا کہ "وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ "وہ ان احادیث میں طعن کرتے ہیں" آں رحمہ اللہ نے جواب دیا:

> "جن لوگوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، انہیں لوگوں نے قرآن کو بھی نقل کیا ہے، اور یہ بات کہ نماز پانچ وقت کی ہے، اسی طرح حج بیت اللہ اور رمضان کے روزوں کی تفصیلات وغیرہ سبھی چیزیں انہی لوگوں سے منقول ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو انہی احادیث کے ذریعہ پہچان سکتے ہیں، لہٰذا شبہ و انکار کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے" (۱۶۸)

اب ہم ذیل میں قرآن کریم، سنتِ نبوی اور علماء و سلف کے اقوال کی روشنی میں سنت نبوی کے محفوظ ہونے کے چند دلائل پیش کریں گے:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (۱۶۹)

"اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (اس کے احکام) کھول کر بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں"

اس آیت میں لفظ "ذکر" کی تعیین کے متعلق اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی ہر وحی (قرآن وسنت) ہے۔ اگر "ذکر" کے معنی صرف قرآن کریم سمجھے جائیں تو دوسری آیت: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [۱۷۰] کی رو سے سنت تو غیر محفوظ قرار پائے گی۔ اگر سنت غیر محفوظ ہوئی تو اس میں اکاذیب، اباطیل اور افتراءات کا دخل ممکن ہوا جو شریعت کے فساد و ابطال کے لئے کافی ہے، حالانکہ دین کے غیر محفوظ ہونے کا سوئے ظن کسی کو نہیں ہے۔ پس "ذکر" کا اطلاق قرآن و سنت دونوں پر یکساں طور پر کرنا محقق ہوا۔ سلف و صالحین بھی لفظ "ذکر" سے قرآن و سنت دونوں ہی مراد لیتے رہے ہیں، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا: "هذه الاحاديث الموضوعة" یعنی "ان موضوع احادیث کا کیا ہوگا؟" ـــــ تو آں رحمہ اللہ نے جواب دیا:

تعيش لها الجهابذة ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [۱۷۱]

"اس کے لئے نقاد موجود ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے....."

علامہ حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن حزم اندلسیؒ وغیرھما نے بھی "ذکر" کے معنی میں قرآن کے ساتھ سنت کو بھی داخل سمجھا ہے، جیساکہ آگے پیش کی جانے والی بعض عبارتوں سے واضح ہوگا۔ اگر اب بھی کوئی لفظ "ذکر" کو صرف قرآن کے لئے ہی خاص سمجھنے پر اصرار کرے تو سورۃ النحل کی آیت ۴۴ سے زیادہ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا یہ منصب ہی نکھر کر آئے گا کہ آں ﷺ کو عام انسانوں کے لئے قرآن مجید کی تبیین پر مامور کیا گیا ہے۔ اب تحفظِ حدیث کے منکرین کے اعتراض کو اس آیت کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں ـــــ اگر نبی ﷺ کے ذریعہ فرمائی گئی قرآن کریم کے مجمل احکام کی تبیین کو (نعوذ باللہ) ناقص، غیر محفوظ اور غیر یقینی سمجھا جائے یا یہ اشتباہ کہ آج اس کا اصل مضمون محفوظ نہیں رہا ہے تو اس سے منطقی طور پر قرآنی نصوص سے انتفاع کا بطلان لازم آئے گا ـــــ پس اس بات پر یقین رکھنا ضروری ہے کہ جو شریعت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور آپؐ پر ہی مکمل کردی گئی، وہ یقیناً آج بھی مسلمانوں کے لئے مکمل، محفوظ اور باقی ہے، کسی بھی دور میں اس میں کوئی نقص یا نسخ واقع نہیں ہوا ـــــ یہ بات بذاتِ خود اس کی حفاظت کے غیر معمولی ہونے کی بے نظیر دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی تحفظ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی جانب سے ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ فتنہ وضعِ احادیث کے رونما ہونے کے باعث ذخیرۂ احادیث کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں، لیکن یہ بات انتہائی ناقابل یقین ہے کہ اللہ کے دین اور دشمن دین چیزوں (مثلاً کذب،

magazine.mohaddis.com

افتراء، اختراعات اور موضوعات وغیرہ) کی جنگ میں اللہ کے دین کو شکست ہو جائے اور دشمنِ دین چیزیں اس پر غالب آجائیں یا پھر احکامِ شریعت میں باطل چیزوں کی اس قدر آمیزش ہو جائے کہ عالمِ اسلام میں سے کسی مسلمان کے لئے بھی حق و باطل میں تمیز کرنا محال ہو کر رہ جائے۔ اگر کوئی شخص ایسا کہتا یا سمجھتا ہے تو اس کے قول کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے دین میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور احکامِ الٰہی میں ایسی باطل اشیاء کی آمیزش ہو گئی ہے کہ جن کو ماننے کا اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو قطعاً حکم نہیں دیا تھا۔ اگر قائل کی یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کی حفاظت کرنے سے قاصر رہا یا پھر اپنے ہی دین کی تخریب سے یک گونہ رضامند ہوا ـــــ لیکن چونکہ یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں ہیں لہٰذا قائل کا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ آج بھی سرمایہ حدیث کا بیشتر حصہ جوں کا توں محفوظ ہے۔ اگر فتنہ انگیز عوامل کی عاقبت نااندیش ریشہ دوانیوں کے باعث اس کا کچھ حصہ ضائع ہوا بھی ہے تو امت کو یقیناً اس کی ضرورت نہ تھی۔ ورنہ اللہ عزوجل نے جس طرح حدیثِ نبوی کے اس بڑے ذخیرہ کی حفاظت فرمائی ہے، اسی طرح اس مختصر سے حصہ کے تحفظ کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا فرما دیتا۔ اس بارے میں حافظ ابن صلاحؒ نے ایک نفیس بحث کے دوران کیا ہی عمدہ بات لکھی ہے: (۱۷۲)

> "جب احادیثِ نبویہ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ عزوجل نے لے رکھا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی حدیث جمع و تدوین اور حفاظتِ بشری سے باہر رہ گئی ہو۔ لہٰذا بقول امام بیہقیؒ اگر اب کوئی شخص ایسی حدیث لاکر بیان کرے جس کا وجود محدثین متقدمین و متاخرین کی جوامع و مسندات و مصنفات میں سے کسی میں بھی نہ ہو تو وہ حدیث ناقابل قبول قرار دی جائے گی، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ حدیثِ نبوی ہو اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اسے محفوظ نہ کیا ہو، جبکہ صاحبِ شریعت نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے"

امام سفیان ثوریؒ کا مشہور قول ہے کہ "ماستراللہ عزوجل أحدا یکذب فی الحدیث" یعنی "اگر کوئی شخص (گھر کی چہار دیواری کے اندر بھی) حدیث کے بارہ میں جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرما دے گا" (۱۷۳)

سفیان ثوریؒ کا ایک اور قول ہے کہ: "ملائکة حراس السماء وأصحاب الحدیث حراس الارض" فرشتے آسمان کے نگہبان ہیں اور محدثین زمین کے" (۱۷۴) ـــــ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے: "لوھم رجل فی السحر ان یکذب فی الحدیث لا صبح الناس یقولون فلان کذاب" (۱۷۵) ـــــ اور یزید بن زریعؒ کا قول ہے: "لکل دین

فرسان و فرسان هذا الدين اصحاب الاسانيد" (۱۷۶) ـــــ اور امام دارقطنیؒ کا قول ہے کہ "يا اهل البغداد لا تظنوا ان احدا يقدر يكذب على رسول الله ﷺ وانا حيي" یعنی "اے بغداد والو! یہ نہ سمجھ لو کہ تم میں سے کوئی نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں" اسی طرح منقول ہے کہ "ان للاثر جهابذة كجهابذة الورق" (۱۷۷) ـــــ یعنی "جس طرح چاندی کو پرکھنے والے ہوتے ہیں، اسی طرح حدیث کے نقاد بھی موجود ہیں" ـــــ اس طرح کے اور بھی بہت سے اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں جن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے احادیث کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے محدثین کرام سے کس قدر گراں قدر خدمات لی ہیں۔

حدیثِ نبوی کے محفوظ ہونے پر امام ابن حزم اندلسیؒ نے نہایت قابل قدر بحث درج فرمائی ہے، چنانچہ ایک مقام پر خبر واحد کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"خبر واحد میں شبہات اصلاً سند کی وجہ سے ہی ہیں لیکن جب ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے براہ راست صحابہ کرام نے سنا تھا تو اس وقت نہ کوئی سند تھی اور نہ شک و شبہ، گویا تب دین محفوظ تھا تو کیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وعدہ کی مدت یہیں پر ختم ہوگئی؟ مستقبل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ فرمایا کہ کذاب، وضاعین اور مفتری بہ آسانی سے دین حق پر غالب آگئے؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو بلاشبہ دین تا قیامت محفوظ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ یقیناً کسی عادل راوی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے والی ہر متصل خبر واحد قطعی، موجبِ عمل اور موجبِ علم ہے" (۱۷۸)

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"دین مکمل ہے جیسا کہ آیت ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ جیسا کہ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ سے واضح ہے۔ پس اگر متاخرین فقہاء کے خیال کے مطابق مکمل دین پر ظنون و اوھام غالب ہو جائیں اور حق و باطل اس طرح خلط ملط ہو جائے کہ ان کے مابین تمیز محال ہو تو حفاظتِ دین کا وعدہ کس طرح پورا ہوا؟ واضح رہے کہ آیتِ محولہ میں لفظ "الذکر" قرآن و سنت دونوں پر حاوی ہے۔ پس اگر متاخرین کے خیال کو درست مان لیا جائے تو یہ دین سے انسلاخ، شریعت میں تشکیک اور دین کے انہدام کے مترادف ہوگا" (۱۷۹) ـــــ اور

"قرآن اور خبر صحیح میں سے بعض بعض کی طرف مضاف ہیں اور وہ دونوں اللہ عزوجل کی جانب سے منزل ہونے کے سبب دراصل ایک ہی چیز ہیں۔ وجوب اطاعت کے

magazine.mohaddis.com

باب میں ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے، جیساکہ ہم اس باب میں اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ﴾ (۱۸۰) ـــــ ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ کا کلام تمام کا تمام وحی ہے اور وحی بلاخلاف ذکر ہے اور ذکر نصِّ قرآن کے مطابق محفوظ ہے" (۱۸۱)

آگے چل کر آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کے متعلق خود اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۱۸۲) ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ اعلان بھی کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ ـــــ پس واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر کلام دین میں وحی ہے اور بلاشک وشبہ وحی اللہ عزوجل کی جانب سے بھیجی جاتی ہے۔ اس بارے میں بھی اہل لغت اور اہل شریعت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وحی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی "ذکر" ہے اور ہر وحی یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے حفاظت میں ہونے کے باعث محفوظ ہے۔

اور جن چیزوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، ان کے متعلق یہ ضمانت موجود ہے کہ ان میں سے نہ کوئی چیز ضائع ہو سکتی ہے اور نہ ان میں کبھی کوئی ایسی تحریف ممکن ہے جس کا بطلان غیر واضح ہو۔ ایسے خدشات تو کسی عقل سے کورے شخص کے ذہن ہی میں جگہ پا سکتے ہیں۔ پس واجب ہے کہ جو دین محمد ﷺ ہمارے پاس لائے، وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و تولیت کے باعث محفوظ اور ہر طالب کے لئے دنیا کے باقی رہنے تک اسی طرح ابلغ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (۱۸۳)

پس اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو لازماً ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا، اس میں سے کسی شے کے ضیاع کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات کا کوئی رستہ ہے کہ کوئی باطل اور موضوع چیز اس میں داخل ہو جائے اور اس قدر خلط ملط ہو جائے کہ کوئی شخص یقینی طور پر اس کی تمیز نہ کر سکتا ہو۔ اگر اس امکان کو جائز قرار دیا جائے تو ذکر غیر محفوظ ہو جائے گا حالانکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ـــــ کوئی بھی مسلم ایسا نہیں سوچ سکتا کیونکہ اس سے آیت کی تکذیب اور اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی کا اظہار ہوتا ہے (نعوذ باللہ)

اگر یہاں کوئی یہ کہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف قرآن کی حفاظت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، تمام وحی جو قرآن نہیں ہے، اس کی ضمانت اللہ کے ذمہ نہیں ہے۔ تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ "الذکر" کی یہ تخصیص بلا دلیل ہونے کے باعث باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہ ہو، وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہے۔ لہٰذا اسم "الذکر" عام ہے اور ہر اس چیز پر واقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر بذریعہ وحی نازل فرمائی خواہ وہ قرآن ہو یا قرآن کی شرح سنت۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے قرآن کی توضیح و بیان کے لئے مامور تھے کیونکہ قرآن میں بہت سی چیزیں مجمل ہیں مثلاً صلاۃ، زکوۃ اور حج وغیرہ ـــــ ان چیزوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے، ہم کچھ نہیں جان سکتے، الا یہ کہ ان الفاظ کی اس توضیح و تفسیر کی طرف رجوع کریں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ پس اگر ان مجملاتِ قرآن کی بیان کردہ آں ﷺ کی تفسیر و بیان غیر محفوظ ہو یا اس کی سلامتی کی کوئی ضمانت موجود نہ ہو تو نصوصِ قرآن سے انتفاع باطل ہوا، جس سے ہمارے اوپر فرض کی گئی شریعت کا بیشتر حصہ باطل ہو جاتا ہے" (۱۸۴)

اگرچہ امام ابن حزم اندلسیؒ کے اس مدلل، مفصل اور واضح کلام کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن پھر بھی قارئینِ کرام کی دلچسپی کے پیش نظر بعض دوسرے مشاہیر کے اقوال بھی پیش خدمت ہیں:

حافظ ابن قیمؒ: ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فعلم ان كلام رسول الله ﷺ في الدين كله وحي من عند الله فهو ذكر انزله الله" (۱۸۵)

"پس معلوم ہوا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کا دینی معاملات میں ہر ارشاد نرا وحیِ الٰہی ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی ہے تو اس "ذکر" کے حکم میں داخل ہے (جس کی حفاظت کا وعدہ و ذمہ اللہ عزوجل نے لے رکھا ہے)"

شیخ عبدالجبار عمرپوریؒ فرماتے ہیں:

magazine.mohaddis.com

"جس طرح پروردگار قرآن کا حافظ و نگہبان ہے، اسی طرح حدیث کا بھی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾ (۱۸۶) ـــــ یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے نگہبان ہیں جبکہ قرآن و حدیث دونوں کی ضرورت ہیں تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خدا صرف قرآن کی حفاظت کرے اور حدیث کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دے۔ اس نے حفاظت کے لئے ائمہ محدثین کو پیدا کیا جنہوں نے ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز سفر طے کئے اور راویوں کی جانچ پڑتال میں بہت کوششیں فرمائیں، لفظ لفظ کی تحقیق میں دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بڑی بڑی کتابیں اِس بارے میں تالیف فرمائیں۔ صحیح کو ضعیف سے اور ناسخ کو منسوخ سے الگ کر دکھایا۔ غرض حدیث پر عمل کرنے کے لئے کوئی عذر و حیلہ باقی نہ چھوڑا.... الخ" (۱۸۷)

جناب مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"جب قرآن فہمی کے لئے تعلیمِ رسول ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن پر صحیح عمل ناممکن ہے تو جس طرح قرآن قیامت تک محفوظ ہے، اس کا ایک ایک زیر و زبر محفوظ ہے ضروری ہے کہ تعلیماتِ رسول بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں ورنہ محض الفاظِ قرآن کے محفوظ رہنے سے نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعلیماتِ رسول ﷺ وہی ہیں جن کو سنت یا حدیثِ رسول کہا جاتا ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ کی طرف سے اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہے جس درجہ کی حفاظتِ قرآن کے لئے موعود ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾ "ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے، ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" ـــــ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیر و زبر تک بالکل محفوظ چلے آتے ہیں اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپؐ کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیتِ مذکورہ کی رو سے لازمی ہے، اور بحمد اللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں، جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا غلط روایات کی آمیزش کی گئی، ماہرینِ سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت (اہل حق اور اہل علم) قائم رہے گی، جو قرآن و حدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور ان میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔" (۱۸۸)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو

magazine.mohaddis.com

اس کا صرف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکمِ قرآن کی خلاف ورزی کی کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا یا یہ کہ آپ ؐ نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم و محفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیتِ معنی کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾ اس کا یہ دعویٰ اس نصِ قرآن کے خلاف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنتِ رسول ؐ کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے، وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے۔ نعوذ باللہ" (۱۸۹)

آں رحمہ اللہ "معارف القرآن" میں ایک اور مقام پر "قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے۔ واللہ اعلم" (۱۹۰)

جناب حبیبُ الرحمٰن اعظمی ؒ لکھتے ہیں: (۱۹۱)

"آپ کی تشریحات و بیانِ قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے"

اور محترم مولانا مودودی صاحب ؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں: (۱۹۲)

"اگر یہ لوگ حق پرست اور انصاف پسند ہوں تو انہیں نظر آئے کہ محدثین کرام نے عہد رسالت اور عہد صحابہ کے آثار و اخبار جمع کرنے اور ان کو چھانٹنے اور ان کی حفاظت کرنے میں وہ محنتیں کی ہیں جو دنیا کے کسی گروہ نے کسی دور کے حالات کے لئے نہیں کیں۔ انہوں نے احادیث کی تنقید و تنقیح کے لئے جو طریقے اختیار کئے، وہ ایسے ہیں کہ کسی دور گذشتہ کے حالات میں تحقیق کے ان سے بہتر طریقے عقل انسانی نے آج تک دریافت نہیں کئے۔ تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں، وہ سب اس گروہ نے استعمال کئے اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ درحقیقت یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق شامل حال رہی ہے اور جس خدا نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے، اسی نے اپنے آخری نبی کے نقوشِ قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے"

سنت نبوی کے محفوظ، مصئون اور مامون ہونے کی ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی بھی ہے:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوّ له ینفون عنه تحریف الغالین و

magazine.mohaddis.com

انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین" (۱۹۳)

یعنی "اس علم (حدیث) کے حامل ایک دوسرے کے پیچھے ہمیشہ ایسے عادل لوگ ہوں گے، جو اسے تجاوز کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی گھڑی ہوئی باتوں اور جاہلوں کی تاویل سے پاک کرتے رہیں گے" (۱۹۴)

سرمایہ حدیث کے محفوظ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جمہور امت نے اسے متفقہ طور پر محفوظ سمجھ کر تصدیقاً و عملاً قبول کیا ہے اور چونکہ پوری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو سکتی لہٰذا یوں بھی ہمارا نقطہ نظر ثابت ہوا، فالحمدللہ علی ذلک —— لیکن ائمہ محدثین کے اس صریح و صحیح نقطہ نظر کے برعکس ڈاکٹر غلام جیلانی برق، سنتِ نبوی کے منجانب اللہ محفوظ و مصئون ہونے کے منکر ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"بہرحال وحی کسی طریقے سے آئے وہ وحی ہے۔ واجبُ التعمیل اور واجبُ الحفاظت ہے۔ قرآن کے متعلق اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ —— یہ ذکر اور ہدایت ہم نے نازل کی اور ہم اس کی حفاظت کریں گے —— قرآن کی ایسی حفاظت ہوئی کہ تمام عالم نے ہماری کتاب کی صحت پر شہادت دی لیکن حدیث! توبہ ہی بھلی، اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحہ پہ موجود نہیں۔ الخ" (۱۹۵)

انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان کے مؤسس مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کے ہم مشرب جناب نظام الدین (معتمد عمومی: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی) بھی مؤسس موصوف کی کتاب "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت" جلد چہارم کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

" —— اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ یعنی ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جبکہ احادیث کے لئے ایسی کوئی ضمانت نہیں ہے —— خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، الخ" (۱۹۶)

افسوس کہ مولانا حمید الدین فراہی صاحب بھی محدثین کی روش کے خلاف "مقدمہ نظام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"یہ ہمارے بعض بھائیوں کا غلو ہے کہ وہ حفاظتِ قرآن کی طرح حفاظتِ حدیث کے قائل ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں جو کچھ روایت ہوگیا ہے، اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب متعدد روایتوں میں زیادہ تر ہم نے اختلافِ نقل کا علم پایا ہے" (۱۹۷)

مجلس التحقیق الاسلامی کی زیر اہتمام شائع ہونے والا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اصولِ شریعت میں حدیث و سنت کی ثانوی حیثیت ناقابل قبول ہے

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ استنباطِ مسائل کے لئے شریعت میں سنت کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ دیا جاتا ہے جس سے سنت پر قرآن کی تقدیم لازم آتی ہے۔ اس بارے میں قدیم و جدید تمام مقلدین اور بعض اہلحدیث، سب ہی حضرات متفق نظر آتے ہیں۔

امام شاطبیؒ نے "الموافقات" میں سنت پر تقدیم کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں جو یہ ہیں:

"اول: کتاب اللہ قطعی اور سنت مظنون ہے۔ اگر سنت صحیح ہو تو اس میں قطعی چیز صرف من جملہ ہوتی ہے بلحاظ تفصیل نہیں ہوتی جبکہ کتاب من جملہ و تفصیل ہر دو طرح مقطوع ہے اور جو چیز مقطوع ہو' وہ مظنون پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا سنت پر کتاب اللہ کی تقدیم لازم آئی۔

دوم: سنت میں یا تو کتاب اللہ کی تبیین و تفسیر ہوتی ہے یا اس پر زیادت، پس اگر سنت میں بیان و تفسیر ہو تو بلحاظ اعتبار، مبیّن کے مقابلہ میں اس کا درجہ دوسرا ہوا کیونکہ سقوطِ مبین سے سقوطِ بیان لازم آتا ہے لیکن سقوطِ بیان سے سقوطِ مبین لازم نہیں ہے۔ اور یہی اس کا مرتبہ ہے پس تقدیم میں کتاب اللہ اولی ہے۔ اگر سنت میں بیان نہ ہو (بلکہ زیادت ہو) تو اس کو اس وقت تک معتبر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ کتاب اللہ میں اس کی اصل نہ مل جائے اور یہ بھی کتاب اللہ کی تقدیم ہی کی دلیل ہے۔

سوم: اس بات پر اخبار و آثار مثلاً حضرت معاذ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں آں رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا تھا: کیف تقضی اذا عرض لک قضاء؟ یعنی "اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟" انہوں نے جواب دیا: "اقضی بکتاب اللہ" یعنی "کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا"۔ آپؐ نے پوچھا کہ "اگر تمہیں اس کا حل کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ عرض کیا: تو "اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا" پھر پوچھا کہ "اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی اس کا حل نہ ملا تو؟" انہوں نے عرض: "اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا..... الخ" (حدیث)(۱۹۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "باب الفرق بین اہل الحدیث و اصحاب الرائے" کے زیر عنوان تطبیق بین النصوص، استنباطِ مسائل اور اجتہاد و رائے کے لئے معیاری اصول و قواعد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

magazine.mohaddis.com

"كان عندهم انه اذا وجد في المسألة قران ناطق فلا يجوز التحول الى غيره واذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه فاذا لم يجدوا في كتاب الله اخذوا بسنة رسول الله ﷺ الخ" (۱۹۹)

یعنی "محدثین کے نزدیک جب قرآن میں کوئی حکم صراحۃً موجود ہو تو کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں لیکن اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ اگر قرآن کسی حکم کے متعلق خاموش ہو تو عمل رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر ہوگا"

حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی سنتِ نبوی کو قرآن کے بعد کا درجہ دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"بعد كتاب الله عز وجل سنن رسول الله ﷺ فهي المبيّنة لمراد الله عز وجل من مجملات كتابه والدالة على حدوده والمفسرة له...الخ" (۲۰۰)

یعنی "اللہ عزوجل کی کتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنن ہیں جو کتاب اللہ کے مجملات سے اللہ عزوجل کی مراد بیان کرتی ہیں، اس کی حدود پر دلالت کرتی اور اس کی تفسیر و توضیح کرتی ہیں"

جناب حمید الدین فراہی صاحب کا حدیث کے بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ قرآن کو اصل اور حدیث کو ایک فرع کی حیثیت دیتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ "نظام القرآن" میں تفسیر کے خبری ماخذ کے تحت لکھتے ہیں: (۲۰۱)

"اصل و اساس کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے، اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں۔ اول: وہ احادیثِ نبویہ جن کو علمائے امت نے پایا، دوم: قوموں کے وہ ثابت شدہ احوال جن پر امت نے اتفاق کیا، سوم: گذشتہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے۔ اگر ان تینوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی"

آں موصوف مزید فرماتے ہیں: (۲۰۲)

"ایک اور قابل لحاظ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے جو کچھ ثابت ہے، اس میں اور فروع سے جو کچھ معلوم ہو، اس میں فرق کرنا چاہئے۔ دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ قطعی ثابت ہے اور فروع میں وہم و ظن کی بہت کچھ گنجائش ہے"

اور کتاب "اصول التاویل" میں لکھتے ہیں:

"قرآن کو سمجھے بغیر اگر آپ حدیث کی طرف دیوانہ وار رجوع کریں جبکہ اس میں

صحیح و سقیم دونوں طرح کی روایات ملی ہوئی ہیں تو دل میں کوئی ایسی رائے بیٹھ جاتی ہے جس کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے مخالف بھی ہوتی ہے۔ اس کی بناء پر آپ تاویلِ قرآن میں کسی سقیم حدیث پر اعتماد کرلیتے ہیں اور اس طرح حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہوجاتا ہے۔ سیدھا رستہ یہ ہے کہ آپ قرآن سے ہدایت حاصل کریں، اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں۔ اسکے بعد احادیث پر غور کریں۔ اگر بادیٔ النظر میں ان کو قرآن سے بیگانہ پائیں تو ان کی تاویل کتاب اللہ کی روشنی میں کریں۔ اگر مطابقت پیدا ہوجائے تو اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو قرآن پر عمل کرنا اور حدیث کے معاملہ میں توقف کرنا ضروری ہے اس طرز عمل کی بنیاد یہ ہے کہ ہمیں پہلے اللہ کی اطاعت کا اور پھر رسول کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ رسول کی اطاعت، اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کلام کو رسول اللہ سے مروی کلام پر مقدم رکھا جائے تو اس نے حکم میں ترتیب کیوں قائم کی؟" (۲۰۳)

فراہی مکتبِ فکر کے ترجمان جناب خالد مسعود صاحب اپنے مضمون "حدیث و سنت کی تحقیق کا فراہی منہاج" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ ارشاداتِ نبویہ کو دین و شریعت کی بنیاد ماننے اور سنت کی تشریعی حیثیت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا فراہیؒ روایتِ حدیث کو یہ حیثیت دینے کو اس لئے تیار نہیں کہ روایت میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اور اس طرح اس میں وہم و ظن کو دخل ہوجاتا ہے.....الخ" (۲۰۴)

آنجناب آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

"حدیث کو اصل نہ ماننے کی وجہ، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ احادیث میں صحیح و سقیم کی تمیز ایک مشکل کام ہے اور دین کی بنیاد کسی غلط روایت پر رکھنا بے حد خطرناک ہے۔ لہٰذا وہ مُصر ہیں کہ دین کے ہر معاملہ کی بنیاد قرآن کی نصوص ہی پر قائم کرنی چاہئے" (۲۰۵)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"سنت قرآن مجید کے بعد دین کا دوسرا قطعی ماخذ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اصول ایک ناقابل انکار علمی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ الخ" (میزان ج ۱ ص ۷۹)

اور جناب امین احسن اصلاحی صاحب اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ

magazine.mohaddis.com

احادیث و آثار ہے۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنتِ متواترہ کی بیان ہوئی۔ لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس وجہ سے اس سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس حد تک یہ قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں.... الخ" (۲۰۶)

یہی بات آں محترم نے اپنی ایک اور کتاب "مبادیِ تدبر قرآن" میں معمولی تغیر کے ساتھ یوں بیان فرمائی ہے: (۲۰۷)

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ احادیث و آثار صحابہ ہیں۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو وہی اہمیت حاصل ہو جاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں"

گویا جناب اصلاحی صاحب کو احادیث و آثار کے سب سے زیادہ اشرف اور پاکیزہ ہونے کے اعتراف کے باوجود ان کی صحت پر پورا اطمینان نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی حدیث ان کے اپنے خود ساختہ "قطعی اصولوں" کے موافق آجائے تو اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں ورنہ اسے ناقابلِ اطمینان سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

جناب حبیبُ الرحمٰن اعظمی صاحب، "معارف الحدیث" مصنفہ منظور نعمانی صاحب پر مقدمہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بلاشبہ قرآن پاک دین و شریعت کی اصل و اساس ہے اور اَدلّۂ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے۔ تفریع و تفصیل اور توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے" (۲۰۸)

اور علمائے اہلحدیث میں سے ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب فرماتے ہیں:

"لا شک ان السنة فی المرتبة الثانیة من القران من جهة الاحتجاج بها والرجوع الیها لاستنباط الاحکام الشرعیة بحیث ان المجتهد لا یرجع الی السنة للبحث عن واقعة الا اذا لم یجد فی القران حکم ما اراد معرفة حکمه لان القران اصل التشریع و مصدره الاول، فاذا نص علی حکم اتبع واذا لم ینص علی حکم الواقعة رجع الی السنة فان وجد فیها حکم اتبع" (۲۰۹)

"بے شک شرعی احکام کے استنباط کے لئے احتجاج اور رجوع کے اعتبار سے سنت قرآن سے دوسرے درجہ میں ہے کیونکہ کوئی مجتہد کسی واقعہ کے متعلق بحث و تمحیص سے

سنت کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کرتا جب تک کہ مطلوبہ حکم کی معرفت قرآن میں نہ پائی جاتی ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن، تشریع کی اصل اور اس کا پہلا مصدر ہے لہٰذا اگر قرآن میں کسی حکم پر نص موجود ہو تو مجتہد اس کی اتباع کرتا ہے، لیکن اگر قرآن میں کسی معاملہ یا واقعہ کے متعلق حکم پر نص موجود نہ ہو تو وہ سنت کی طرف رجوع کرتا ہے، پس اگر اس میں وہ حکم مل جائے تو اس کی اتباع کی جاتی ہے"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"فالسنة اما ان تكون مفسرة لمجملات القران واما ان تكون مستقلة في التشريع بماليس في القران وهذا يجعل الحديث في المرتبة الثانية من القران، ويو كدان الشرع الاسلامي يتكون من الاصلين معا القران والحديث، مصداقا لقوله ﷺ: تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنتي" (۲۱۰)

"پس سنت قرآن کے مجملات کے مفسر ہونے کے ساتھ ان امور کے بارے میں ایک مستقل تشریعی حیثیت رکھتی ہے جو قرآن کریم میں مذکور و منصوص نہیں ہیں، لہٰذا یہ چیز حدیث کو قرآن سے دوسرے مرتبہ میں رکھنے کی متقاضی ہے اور اسلامی شریعت کے ایک ساتھ دو اصل، قرآن و سنت، سے ماخوذ ہونے کو مؤکد کرتی ہے بمصداق ارشاد ﷺ: "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، جب تک سختی کے ساتھ ان پر جمے رہے تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیزیں کتاب اللہ اور میری سنت ہیں"

محترم ڈاکٹر سلفی صاحب حفظہ اللہ اوائل کتاب میں بھی مختلف مقامات پر تقریباً یہی بات لکھ چکے ہیں مثلاً:

"وانما تكون طاعته بالتزام سنة والعمل بحديثه والاخذ بمضمونه الصحيح في مسائل الدين واعتباره الاصل الثاني من اصول التشريع بعد القرآن المجيد" (۲۱۱)

"فالصحابة (۲۱۲) رضوان الله عليهم اجمعين لم يرضوا ترك السنة كان عليها رسول الله ﷺ ولم يقبلوا مع السنة راى احد —— وكذلك التابعون والائمة والعلماء من بعدهم، فراهم قد اجمعوا على ان السنة مصدر تشريعي بعد القرآن لا يكمل الدين الا بهما" (۲۱۳) —— اور

"بهذا كله ظهر لنا ان السنن النبوية مصدر ثان من مصادر التشريع باتفاق علماء الامة" (۲۱۴)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسی طرح القرآن سوسائٹی لندن کے صدر جناب مولانا صہیب حسن بن شیخ عبدالغفار حسن رحمانی حفظہما اللہ فرماتے ہیں:

"Hadith is the second source of Islam after the Quran...."(۲۱۵)

اس بارے میں اور بہت سے لائقِ احترام علمائے اہلحدیث و احناف کے اقتباسات پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن ہم بخوفِ طوالت انہی چند اقتباسات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہی صاحب اور ان کے مخصوص مکتبِ فکر کے ترجمان کا نقطہ نظر ہم نے یہاں بطور خاص نقل کیا ہے۔ محترم ڈاکٹر سلفی اور جناب صہیب حسن صاحبان کا تذکرہ ضمناً صرف یہ واضح کرنے کے لئے آگیا ہے کہ چند علمائے اہلحدیث بھی اس بارے میں اِن افکار سے متاثر ہیں —— بہرحال سنت پر قرآن کی تقدیم کے جو اسباب مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوئے، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) سنت قطعی نہیں بلکہ مظنون ہے، اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے یا ظن اور وہم کو بھی اس میں دخل ہے۔

(۲) سنت قرآن کی بیان و تفسیر ہونے کی بناء پر بلحاظِ اعتبار قرآن سے فروتر ہوئی —— لیکن یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ محققین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیان و مبیّن مساوی المرتبت ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبین چیز مجمل پر مقدم ہوتی ہے۔

(۳) سنت میں ایسی زیادت کا غیر معتبر ہونا جس کی اصل قرآن میں نہ ملتی ہو —— یہ بھی ایک بے اصل بات ہے۔

(۴) حضرت معاذؓ کی حدیث سے استدلال —— یہ حدیث اصلاً منکر ہے۔

(۵) احادیث میں صحیح و سقیم کی تمیز ایک دشوار کام ہے —— یہ عذرِ لنگ وجہ تقدیم سے زیادہ علم حدیث سے بے بضاعتی اور عدمِ ممارست کا مظہر ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے بارے میں یوں ترتیب قائم فرمائی کہ ہمیں پہلے اللہ کی اطاعت کا پھر رسول کی اطاعت کا حکم ہوا —— یہ بات بھی جہل مرکب سے کم نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اصلاً اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ جہاں تک قرآن میں اس حکم کی ترتیب سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو وہ بھی قواعدِ لسانیات کی روشنی میں درست نہیں ہے کیونکہ جن آیات سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان میں اطاعتِ الٰہی کے حکم کے ساتھ اطاعتِ رسول کا حکم یا قرآن مذکور ہے نہ کہ باعتبار ترتیب: ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ اور ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ میں "واؤ" امر اطاعت کے اعادہ کے ساتھ واؤ عطف یا مطلق اشتراک کا فائدہ دیتا

magazine.mohaddis.com

ہے۔ اس "واؤ" کو "التشریک فی الطاعۃ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ (۲۱۶)

(۷) حدیث: "ترکت فیکم امرین الخ" سے استدلال بھی درست نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آگے واضح کیا جائے گا۔

(۸) صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تمام ائمہ و علمائے امت کا بالاتفاق سنت کو شریعت میں قرآن کے بعد مصدرِ ثانی سمجھنے کا دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ ان صلحاء کے نزدیک تو قرآن و سنت دونوں چیزیں ہی بلا تقدیم و تاخیر، بلا تعیینِ مدارج اور بلا تفریق یکساں طور پر مصدرِ شریعت تھیں۔

جب سنت پر قرآن کی تقدیم کی مذکورہ بالا تمام وجوہ ناقابلِ استدلال ٹھہریں تو کتاب و سنت کے مابین کسی طرح کی تفریق یا درجہ بندی کا نظریہ بھی اصلاً بے بنیاد اور لغو قرار پایا اور یہی ہمارا مقصود ہے، فالحمد للہ علی ذلک۔ ذیل میں ہم اپنے موقف کی تائید میں چند شواہد پیش کریں گے:

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۲۱۷)

—— یعنی "وہ (رسول) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ آپ کا ارشاد نری وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے"

(۲) ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (۲۱۸) —— یعنی "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی"

(۳) ﴿ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۲۱۹) —— یعنی "اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیں، اُسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اُس سے رُک جاؤ"

(۴) ﴿ ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ و یقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون أن یتخذوا بین ذلک سبیلا۔ اولئک ھم الکافرون حقا و أعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔ والذین آمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولئک سوف یوتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما ﴾ (۲۲۰)

"جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اس کے رسولوں کے مابین فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ پر تو ایمان لاتے ہیں اور کچھ کے منکر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ اخذ کریں ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، ان کو اللہ ضرور اجر دے گا اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے"

اس آیت میں جس تفریق کو قطعی کفر کہا گیا ہے، وہ تفریق فی الاطاعت ہی ہے کیونکہ رسول

magazine.mohaddis.com

اللہ ﷺ اور اللہ عزوجل ذات وصفات کے اعتبار سے کبھی ایک نہیں ہوسکتے، ایک خالق کائنات ہے تو دوسرا اس کی مخلوق، ایک آمر ہے تو دوسرا مامور، ایک حاکم ہے تو دوسرا بندہ، ایک بے نیاز ہے تو دوسرا نیاز مند، ایک بذاتِ خود علیم وخبیر ہے تو دوسرا علم کا محتاج، ایک مختارِ کل ہے تو دوسرا محتاجِ محض —— غرض اس طرح کی اللہ عزوجل اور رسول اللہ کے مابین تفریق باعثِ کفر نہیں بلکہ اس قبیل کی توحدت باعثِ کفر ہے۔

(۵) منافقین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ [۲۲۱] —— "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ وہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں"

اس آیت میں منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام اور رسول کی طرف دی جانے والی دعوت میں مغایرت برتتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے سے پہلو تہی کرتے ہیں، بالفاظ دیگر احکام الٰہی اور احکامِ نبوی دونوں کے مابین کوئی مغایرت نہیں ہے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" [۲۲۲] "یعنی آگاہ رہو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے مثل ایک اور چیز"

(۷) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ [۲۲۳] —— یعنی "جس چیز کو رسول اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی مانند حرام ہے"

(۸) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنتي ولن يتفرقا حتى يردا علي الحوض" [۲۲۴]

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور میری سنت، اور یہ دونوں چیزیں علیحدہ نہ ہوں گی تاآں کہ حوض پر وارد ہوں"

(۹) حسان بن عطیہ سے بسند صحیح مروی ہے: "كان جبريل ينزل على رسول الله بالسنة كما ينزل عليه بالقران يعلمه كما يعلمه القران" [۲۲۵]

"جبریل رسول اللہ ﷺ پر سنت لے کر اسی طرح نازل ہوتے تھے جس طرح کہ آپ ﷺ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور آپ ﷺ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح کہ قرآن سکھاتے تھے"

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

(۱۰) تمام صحابہ کرامؓ عہد رسالت میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قرآن کریم اور آپؐ کے ارشادات کے مابین کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ اس عہد بابرکت میں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی جب کہ نبی ﷺ نے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہو یا کسی چیز کا حکم دیا یا کسی کام سے منع فرمایا ہو تو صحابہ میں سے کسی نے بھی رسول اللہ سے قرآن سے اس کی دلیل طلب کی ہو۔ وہ لوگ تو اتباع و تسلیم کا اعلیٰ ترین پیکر و نمونہ تھے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تمام تابعین اور محققین علمائے سلف و خلف کا بھی یہی موقف رہا ہے، اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم بخوفِ طوالت یہاں صرف مندرجہ ذیل چند مثالیں ہی پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

(۱) حضرت عمرؓ کا قول ہے: "تعلّموا الفرائض والسنة کما تتعلمون القران"
"فرائض (احکام وراثت) اور سنتِ رسول اس طرح سیکھو جس طرح قرآن مجید کو سیکھتے ہو" (۲۲۶)

(۲) ابن شہاب نے عن الاعرج عن ابی ہریرہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں موجود نہ ہوتیں تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا (پھر آں رضی اللہ عنہ نے ان دو آیات کی تلاوت فرمائی) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ (۲۲۷) ـــــ اور
﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى ﴾ (۲۲۸)

علامہ ابو عمر فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ فقہی نکتہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث کا حکم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے حکم کا ہی ہے..... الخ" (۲۲۹)

(۳) بنی اُسید کی ایک عورت جس کی کنیت اُم یعقوب تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ "آپ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں جو بال اکھیڑتی اور سنگھار کے لئے گوندتی ہیں اور دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرتی ہیں؟" آں رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہاں، میں ایسی عورتوں پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی اور جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے؟" اس عورت نے عرض کیا کہ "میں نے کتاب اللہ از ابتداء تا انتہاء پڑھی ہے لیکن مجھے اس میں آپ کی یہ بات کہیں نظر نہ آئی" حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ: ان کنت قرأتیه لقد وجدتیه (اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو اس میں ضرور پایا ہوگا)، اما قرأت ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ ـــــ (کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ: "جو کچھ رسول ﷺ دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اُس سے رُک جاؤ") ـــــ عورت نے جواب دیا: "ہاں یہ آیت تو پڑھی ہے" ابن مسعودؓ نے فرمایا: میں نے

magazine.mohaddis.com

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "لعن اللہ المتنامصات" اللہ تعالیٰ نے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے" (۲۳۰)

(۴) حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: "انہ سمع ابن عمرو ابن عباس انهما شهدا علی رسول اللہ ﷺ انہ نهی عن الدباء والحنتم والمزفت والنقیر ثم تلا رسول اللہ ﷺ هذا الایة: ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۲۳۱)

"انہوں نے ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس بات کی شہادت دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دباء، حنتم، مزفت اور نقیر سے منع فرمایا ہے، پھر آپ نے یہ تلاوت فرمائی: جو کچھ رسول دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے باز رہو"

(۵) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: قال ابن عباس الم یقل اللہ عزوجل ﴿ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ قلت بلی، قال الم یقل اللہ ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ قلت بلی قال فانی أشهد ان النبی ﷺ نهی عن النقیر والمقیر والدبّاء والحنتم" (۲۳۲)

"حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کام کا حکم رسول دیں، اسے لازم پکڑو اور جس کام سے منع کردیں اس سے باز رہو؟ میں نے کہا ہاں- فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ فرما دیں تو پھر ان کو اس معاملہ میں اختیار باقی رہے- میں نے کہا: ہاں، تو فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے نقیر، مقیر، دباء اور حنتم سے منع فرمایا ہے"

(۶) مروی ہے کہ مشہور تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ نخعی کو (۸۳ھ) نے موسم حج میں ایک شخص کو حالتِ احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو اس کے پاس جاکر سلا ہوا لباس اتارنے اور لباسِ احرام کے لئے سنتِ نبوی کو اپنانے کا مشورہ دیا- اس شخص نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا: آپ میرے اس لباس کے بارے میں جو اختلاف کر رہے ہیں، اس کی تائید میں کتاب اللہ کی کوئی آیت پیش کریں (کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے) یہ سن کر عبدالرحمٰنؒ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۲۳۳)

(۷) ہشیم بن عمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن عبیداللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

ینبغی لنا ان نحفظ حدیث رسول اللہ ﷺ کما نحفظ القران لان اللہ تعالی یقول: ﴿ وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ﴾ (۲۳۴)

یعنی "ہمیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو بھی قرآن کی طرح ہی حفظ کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور تمہیں جو کچھ رسول دے، اسے لے لو"

اب اس ضمن میں کچھ علماء و محققین کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیں:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"وذلک انها مقرونة مع کتاب اللہ، وان اللہ افترض طاعة رسوله و حتم علی الناس اتباع امره فلا یجوز ان یقال یقول فرض، الا لکتاب اللہ ثم سنة رسوله" (۲۳۵)

"سنت کتاب اللہ کے ساتھ مقرون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کو فرض قرار دیا ہے اور آپؐ کے حکم کی اتباع کو انسانوں پر حتمی قرار دیا ہے، پس کسی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صرف کتاب اللہ کو فرض کیا۔ پھر اس کے بعد اپنے رسول کی سنت کو"

امام خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الکفایۃ فی علم الروایۃ" میں وجوبِ عمل اور لزومِ تکلیف کے باب میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو متساوی الحکم قرار دیتے ہوئے ایک عنوان یوں قائم فرمایا ہے: "باب ماجاء فی التسویة بین حکم کتاب اللہ تعالی و حکم سنة رسول اللہ ﷺ فی وجوب العمل ولزوم التکلیف" (۲۳۶)

ملّا علی قاری حنفیؒ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

"سعادة الدارین منوطة بمتابعة کتاب اللہ ومتابعة موقوفة علی معرفة سنة رسوله علیه الصلوة والسلام و متابعته فهما متلازمان شرعا لا ینفک احدهما عن الاخر" (۲۳۷)

یعنی "دنیا اور عقبیٰ کی کامیابی کا راز کتاب اللہ کی تابعداری میں مضمر ہے اور کتاب اللہ کی تابعداری نبی ﷺ کی سنت کی معرفت پر موقوف ہے، پس کتاب اللہ اور سنتِ رسول از روئے شریعت باہم دگر لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے"

شاہ ولی اللہ صاحب محدثین اور فقہاء کے اصولِ استنباطِ مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاویٰ بردو وجہ بودند: یکے آنکہ قرآن و

magazine.mohaddis.com

حدیث و آثار صحابہ" جمع می کردند وازاں جا استنباط می نمودند وایں طریقہ اصل راہ محدثین .....الخ" (۲۳۸)

یعنی "جاننا چاہئے کہ استنباطِ مسائل کے لئے سلف میں دو طریقے رائج تھے: ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن، حدیث اور آثار صحابہ کو جمع کیا گیا اور ان کی روشنی میں استنباط کیا گیا اور یہ طریقہ اصلاً محدثین کی راہ ہے"

محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی" اپنی کتاب "فوائد الفوائد" میں دیلمی" کی ایک مرفوع حدیث " القرآن صعب مستصعب علی من کرہ وھوالحکم فمن استمسک بحدیثی و فھمہ وحفظہ جاء مع القرآن" کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ حدیث اور قران کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ دونوں ایک ہی جیسی چیز ہیں۔ جس نے قرآن یا میری حدیث سے تساہل برتا، وہ دنیا و آخرت دونوں کے خسارہ میں ہے۔ میں اپنی امت کو حکم دیتا ہوں کہ میرے قول کو پکڑیں، میرے حکم کی اطاعت کریں اور میری سنت کی اتباع کریں۔ جو قرآن سے راضی ہو وہ حدیث سے بھی راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ﴾ (آیت) پس جس نے میری اقتداء کی، وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت کو ترک کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے" (۲۳۹)

محدثِ عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ قیاس کی مشروعیت پر استدلال کے لئے پیش کی جانے والی حضرت معاذؓ کی مشہور حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حدیث معاذ میں حکم و فیصلہ کے تین مرحلے بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رائے میں حکم کی تلاش سنت کے بعد ہوگی اور سنت میں قرآن کے بعد —— رائے کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے چنانچہ علماء کا قول ہے کہ "اذا ورد الأثر بطل النظر" یعنی جب حدیث مل جائے تو غور و فکر بیکار ہے لیکن سنت کے سلسلہ میں یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سنت قرآن کے سلسلہ میں حاکم اور اس کی مبیّن ہے۔ اس لئے قرآن میں حکم کے وجود کا گمان ہوتے ہوئے بھی اسے سنت میں تلاش کرنا ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ سنت کا تعلق ہرگز ویسا نہیں ہے جیسا کہ سنت کے ساتھ رائے کا ہے، بلکہ کتاب و سنت دونوں کو ایک ہی ماخذ ماننا ضروری ہے۔ دونوں کے مابین کوئی تفریق نہیں۔ نبی ﷺ نے اس بات کی جانب یوں اشارہ فرمایا: "الا انی اوتیت القران ومثلہ معہ" یعنی "سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز" اور اس چیز سے سنت ہی مراد ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: "لن یتفرقا حتی یردا علیّ

الحوض" یعنی "یہ دونوں چیزیں الگ نہ ہوں گی تا آں کہ حوض پر وارد ہوں" اس لئے قرآن و سنت کے مابین درجہ کی تعیین صحیح نہیں کیونکہ اس سے دونوں میں تفریق لازم آتی ہے جو کہ باطل ہے" (۲۴۰)

پس ثابت ہوا کہ قرآن و سنت کے مابین کسی قسم کی تفریق، تقدیم و تاخیر یا مدارج کی تعیین قرآن و حدیث کے تقاضہ اور سلف و صالحین کے آثار، نیز علماء و محققین کے فیصلوں کے منافی ہے۔ اصلاً دونوں چیزیں یکساں طور پر مصدرِ شریعت ہیں۔ واللہ اعلم

عدمِ اتباعِ سنت' انکارِ رسالت کے مترادف ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۲۴۱) ـــــ یعنی "ہم نے رسول کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے تاکہ بحکم الٰہی ان کی اطاعت کی جائے" ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (۲۴۲) ـــــ "جو کچھ رسول تمہیں دیں، اُسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اُس سے رک جاؤ" ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (۲۴۳) ـــــ یعنی "پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کوئی مصیبت ان کو آدبوچے یا کوئی دردناک عذاب ان کو آلے" اور ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (۲۴۴) ـــــ یعنی "جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہ جاتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا" وغیرہ ـــــ ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم آجائے تو ہمارے لئے کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا۔ جو شخص ایسی حالت میں التزام و ترک کے لئے اپنی ذاتی رائے کو اختیار کرے یا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے بجائے کسی دوسرے کے قول کی طرف رجوع کرے تو ان نصوص کی روشنی میں یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ ایسے شخص کا ایمان غیر معتبر ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی اتباع کو ہی "کمال ابتدائے ایمان" قرار دیا ہے۔ پس اگر اللہ کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تو لایا لیکن اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو اس پر ہرگز "کمال ابتدائے ایمان" کا اطلاق نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کے

magazine.mohaddis.com

ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان نہ لائے، وھکذا من رسول اللہ فی کل من امتحنہ للایمان" (۲۴۵)

آگے چل کر امام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر اپنی وحی اور اپنے رسول کی سنن کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے، چنانچہ اپنی کتاب عزیز میں فرماتا ہے: ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (۲۴۶) ـــــ یعنی "اے ہمارے رب اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو آسمانی کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دے اور ان کو پاک کردے، بے شک تو عزیز اور بڑی حکمت والا ہے" (اس آیت کے بعد امام شافعیؒ نے چند دوسری آیات بھی پیش کی ہیں، پھر فرماتے ہیں:) پس اللہ نے ان آیات میں جس "کتاب" کا ذکر فرمایا ہے، وہ قرآن کریم ہے اور جس "حکمت" کا ذکر فرمایا ہے تو میں نے قرآن کے ایسے اہل علم حضرات سے سنا ہے کہ جنہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اس سے مراد "رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے" (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو فرض اور تمام انسانوں پر اُنکے حکم کی اتباع کو حتمی قرار دیا ہے ـــــ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کتاب و حکمت کی تعلیم فرما کر دراصل ان پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے، لہٰذا کسی کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہاں "حکمت" سے مراد "سنتِ رسول اللہ ﷺ" کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے" (۲۴۷)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من بلغه عني حديث فكذب به فقد كذب ثلاثة، الله و رسو له والذي حدث به" (۲۴۸)

"جس شخص کے پاس میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس کو جھٹلایا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول اور اِس حدیث کے راوی تینوں کی تکذیب کی"

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

"اس کی سند میں راوی میسور بن محفوظ ہے جس کا تذکرہ امام ابن ابی حاتمؒ نے کیا ہے لیکن اس کے متعلق نہ کوئی جرح نقل کی ہے اور نہ ہی تعدیل" (۲۴۹)

امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے:

"من رد حديث رسول الله ﷺ فهو على شفا هلكة" (۲۵۰)

magazine.mohaddis.com

"جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کرتا ہے وہ ہلاکت کے دہانے پر جا پہنچا"

امام محمد بن نصر المروزیؒ (۲۹۴ھ) نے بیان کیا ہے کہ امام اسحٰق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہؒ (۲۳۸ھ) فرمایا کرتے تھے:

"من بلغه عن رسول الله ﷺ خبر يقر بصحته ثم رده بغير تقية فهو كافر" (۲۵۱) ـــــ "جس شخص تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کی صحت کا اقرار بھی کرے پھر بغیر تقیہ کے اس کو رد کرے تو وہ کافر ہے"

امام ابن حزم اندلسیؒ آیت: ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ﴾ (۲۵۲) کے تحت لکھتے ہیں:

"پس ہم نے پایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کے کلام کی طرف لوٹنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جو توحید کا اقرار کرتا ہو اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ تنازعہ کے وقت قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علاوہ کسی اور طرف رجوع کرے اور نہ اس بات کی گنجائش ہے کہ جو کچھ وہ ان میں پائے، اس کی خلاف ورزی کرے کیوں کہ اگر اس نے اپنے اوپر حجت قائم ہونے کے بعد ایسا کیا تو وہ فاسق ہے اور جس شخص نے ان دونوں چیزوں کے حکم سے خروج کو حلال جانتے ہوئے یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کو واجب جانتے ہوئے ایسا کیا تو ہمارے نزدیک بلاشبہ وہ کافر ہے"

امام محمد بن نصر مروزیؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام اسحٰق بن راہویہؒ فرماتے تھے کہ جس شخص تک رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کی صحت کا اقراری ہو پھر اسے بغیر تقیہ کے رد کرے تو وہ کافر ہے۔

اس بارے میں ہم امام اسحٰق کے اس قول سے احتجاج نہیں کرتے، اس کو تو ہم نے محض اس لئے نقل کیا ہے تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ ہم اس قول کے بارے میں منفرد رائے رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف فعل کو جو شخص حلال سمجھے اس کی تکفیر پر ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں جس میں اس نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (۲۵۳)

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اور جس شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی خبر آئے اور وہ اقرار کرے کہ وہ

magazine.mohaddis.com

خبر صحیح ہے یا اس کے مثل حجت قائم ہے یا اس جیسی خبر کسی دوسرے مقام پر ثابت ہے پھر اس مقام پر اس کے مثل سے حجت پکڑنے کو قیاس یا فلاں اور فلاں کے قول کی بناء پر ترک کردے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کام کیا، پس مصیبت میں جاگرنے اور دردناک عذاب کا مستحق ہے" (۲۵۴)

شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

"اس لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے۔ آپؐ کے حکم کی پیروی کی جائے، آپؐ کی حدیث کی تصدیق کی جائے، کسی باطل خیال کو معقول سمجھ کر حدیث کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے، اسے شک و شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے، لوگوں کی رائے کو اس پر مقدم نہ کیا جائے، تنہا رسول اللہ ﷺ کو حکم مانا جائے اور آپؐ کے احکام کی پیروی کی جائے جس طرح عبادت، انابت، اور خضوع و توکل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا جاتا ہے" (۲۵۵)

اور جناب مرتضیٰ حسن دیوبندی فرماتے ہیں:

"علماء دیوبند باوجود اس عقیدہ کے، ان کا ایمان یہ ہے جو جناب رسول مقبول ﷺ کے ایک حکم کا انکار کرے (یا) حق نہ سمجھے (یا) حق ہونے میں تردد یا شک کرے وہ ایسا ہی کافر ہے جیسا مرزا غلام احمد قادیانی یا مسیلمہ کذاب اور ابوجہل اور امیہ بن خلف۔ انسان کا کوئی عمل اعلیٰ و ادنیٰ جب تک آپ ﷺ کے حکم کے مطابق نہ ہو قبول ہی نہیں ہو سکتا۔ انتھی" (۲۵۶)

اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب فرماتے ہیں:

"..... قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ محمد ﷺ کے احکام و ہدایات قیامت تک کے لئے اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ آنحضرت ﷺ خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہوگیا۔ رسول کی حیثیت، آپ کا ہر قول و فعل بجائے خود قانونی سند و حجیت رکھتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ کسی امام و فقیہ نے نہیں دیا ہے، خود قرآن نے آپ کا یہی مقام بیان کیا ہے۔ کوئی شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کردے اس کے لئے سنت کی اس قانونی حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں رسول کے ہر امر و نہی کی بہرحال بے چون و چرا تعمیل کرنی چاہئے" (میزان ج ۱ ص ۷۹-۸۰)

پس ثابت ہوا کہ جمہور کے نزدیک عدم اتباعِ سنت، انکارِ رسالت کے مترادف ہے۔ واللہ اعلم

۱- الشوریٰ: ۵۱ ـــــ ۲- الشعرآء: ۱۹۲ تا ۱۹۵ ـــــ ۳- الشوریٰ: ۵۲ ـــــ ۴- النساء: ۱۶۳ ـــــ ۵- النجم: ۳، ۴ ـــــ ۶-

magazine.mohaddis.com

النحل:۴۴ ـــــ ۷- التغابن:۱۲ ـــــ ۸- الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، ص ۸۷ ـــــ ۹- معارف القرآن ج ۲ ص ۵۴۳ ـــــ ۱۰- الشعراء:۱۹۲، ۱۹۳ ـــــ ۱۱- الحجر:۹ ـــــ ۱۲- الاسرآء:۸۸ ـــــ ۱۳- النجم:۳ ـــــ ۱۴- النساء:۸ ـــــ ۱۵- النحل:۴۴ ـــــ ۱۶- النحل:۶۴ ـــــ ۱۷- القیامۃ:۱۷ تا ۱۹ ـــــ ۱۸- آل عمران:۱۶۴ ـــــ ۱۹- النساء:۱۰۵ ـــــ ۲۰- المومن:۷۰ ـــــ ۲۱- النجم:۳، ۴ ـــــ ۲۲- خطبۃ الاستیعاب علی ھوامش الاصابۃ ج ۱ ص ۲ ـــــ ۲۳- الموافقات الشاطبی ج ۴ ص ۱۰ ـــــ ۲۴- کمافی قواعد التحدیث للقاسمی ۵۹ ـــــ ۲۵- کمافی فتح الباری لابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۲۵۴ ـــــ ۲۶- معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۷-۲۷۸ ـــــ ۲۷- رسالہ "تدبر" لاہور عدد نمبر ۳۷ ص ۳۲ مجریہ نومبر ۱۹۹۱ء ـــــ ۲۸- نفس مصدر عدد نمبر ۳۷ ص ۳۷ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء ـــــ ۲۹- نفس مصدر ـــــ ۳۰- مقدمہ تفسیر تدبر قرآن، ص ۴ ـــــ ۳۱- مبادی تدبر قرآن ص ۲۱۶ ـــــ ۳۲- مبادی تدبر حدیث ص ۲۵ ـــــ ۳۳- النساء:۶۴ ـــــ ۳۴- آل عمران:۳۲ ـــــ ۳۵- تفسیر الطبری ج ۴ ص ۱۴۷ وکذا فی مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ص ۲۲ ـــــ ۳۶- النساء:۷۹، ۸۰ ـــــ ۳۷- صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱۱ ـــــ ۳۸- نفس مصدر ج ۱۳ ص ۲۴۹ ـــــ ۳۹- نفس مصدر ج ۱۳ ص ۲۵۱ ـــــ ۴۰- نفس مصدر ج ۱۳ ص ۲۴۹ ـــــ ۴۱- فتح الباری لابن حجر ج ۱۳ ص ۱۱۲ ـــــ ۴۲- تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۸، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲ ـــــ ۴۳- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲ ـــــ ۴۴- النساء:۵۹ ـــــ ۴۵- تفسیر الطبری ج ۴ ص ۱۵۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲ ـــــ ۴۶- الاحزاب:۳۶ ـــــ ۴۷- الرسالۃ لامام شافعی ص ۸۰ ـــــ ۴۸- فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱۱-۱۱۲ ـــــ ۴۹- جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۰ ـــــ ۵۰- الاحکام فی اصول الاحکام ص ۸۷ ـــــ ۵۱- فتح الباری لابن حجر ج ۱۳ ص ۱۱۱، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲ ـــــ ۵۲- الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۱۰ ـــــ ۵۳- الانفال:۴۶ ـــــ ۵۴- المائدہ:۹۲ ـــــ ۵۵- الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۱۰ ـــــ ۵۶- آل عمران:۳۱ ـــــ ۵۷- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۱-۲۲ ـــــ ۵۸- الاحزاب:۳۶ ـــــ ۵۹- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۳-۲۴ ـــــ ۶۰- النساء:۶۵ ـــــ ۶۱- تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۴ ـــــ ۶۲- الحجرات:۱ ـــــ ۶۳- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۳ ـــــ ۶۴- النور:۶۳ ـــــ ۶۵- الموافقات ج ۴ ص ۱۰ ـــــ ۶۶- نفس مصدر ج ۴ ص ۱۰ ـــــ ۶۷- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۳ ـــــ ۶۸- النور:۶۲ ـــــ ۶۹- اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۸ ـــــ ۷۰- الانفال:۲۴ ـــــ ۷۱- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۳ ـــــ ۷۲- النساء:۱۳، ۱۴ ـــــ ۷۳- النساء:۶۰، ۶۱ ـــــ ۷۴- النور:۵۱، ۵۲ ـــــ ۷۵- الحشر:۷ ـــــ ۷۶- مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۱ ملخصا ـــــ ۷۷- النور:۵۴ ـــــ ۷۸- الاحزاب:۲۱ ـــــ ۷۹- کمافی مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۴ ـــــ ۸۰- الفتح:۱۰ ـــــ ۸۱- النساء:۸۰ ـــــ ۸۲- النساء:۶۵ ـــــ ۸۳- النور:۶۳ ـــــ ۸۴- النور:۴۸ تا ۵۲ ـــــ ۸۵- الرسالۃ ص ۸۲-۸۵ ملخصا ـــــ ۸۶- النساء:۱۱۵ ـــــ ۸۷- المحلی لابن حزم مترجم غلام احمد حریری ج ۱ ص ۳۳ ـــــ ۸۸- المناقب لابن الجوزی ص ۱۸۲ ـــــ ۸۹- ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۱۳۸ ـــــ ۹۰- البقرہ:۱۲۹ ـــــ ۹۱- البقرہ:۱۵۱ ـــــ ۹۲- البقرہ:۲۳۱ ـــــ ۹۳- آل عمران:۱۶۴ ـــــ ۹۴- النساء:۱۱۳ ـــــ ۹۵- الاحزاب:۳۴ ـــــ ۹۶- الجمعۃ:۲ ـــــ ۹۷- الرسالۃ ص ۷۸ ـــــ ۹۸- تفسیر ابن جریر الطبری، سورہ آل عمران:۱۶۴ ـــــ ۹۹- کتاب الام ج ۷ ص ۲۷۰-۲۷۱ ـــــ ۱۰۰- جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج ۱ ص ۱۷ ـــــ ۱۰۱- تفسیر الجلالین بھامش المصحف الشریف ص ۹۰، ۵۵۴، ۷۱۴ ـــــ ۱۰۲- کتاب الروح لابن قیم ص ۹۲ ـــــ ۱۰۳- معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۳ ـــــ ۱۰۴- نفس مصدر ج ۷ ص ۱۴۱ ـــــ ۱۰۵- نفس مصدر ج ۸ ص ۴۳۵ ـــــ ۱۰۶- مقدمہ معارف الحدیث ج ۱ ص ۲۳ ـــــ ۱۰۷- القمر:۵ ـــــ ۱۰۸- یٰسین:۲ ـــــ ۱۰۹- مبادی تدبر قرآن ص ۱۱۰-۱۱۳ ملخصا ـــــ ۱۱۰- سورۃ

magazine.mohaddis.com

لقمان:۱۲ ـــــ ۱۱۱-البقرہ:۱۰۲ ـــــ ۱۱۲- آل عمران :۹۳ ـــــ ۱۱۳-مبادی تدبر قرآن ص۱۱۵ ـــــ ۱۱۴-النجم:۳، ۴ ـــــ ۱۱۵-البقرہ:۱۴۳، ۱۴۴ ـــــ ۱۱۶- التحریم:۳ ـــــ ۱۱۷-الحشر:۵ ـــــ ۱۱۸- تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۳-۳۳۴ ـــــ ۱۱۹- الاحزاب:۳۷ ـــــ ۱۲۰- تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۴۹۱ ملخصا ـــــ ۱۲۱- الجمعہ :۹ تا ۱۱ ـــــ ۱۲۲- تدبر قرآن ج ۷ ص۳۸۸ ـــــ ۱۲۳- المائدہ:۵۸ ـــــ ۱۲۴-التوبۃ :۸۴ ـــــ ۱۲۵-الانفال:۷ ـــــ ۱۲۶- سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۶، سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۲۸۷، سنن الکبری للبیہقی ج ۹ ص ۳۳۲، الشریعۃ للاجری ص ۵۱، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۰، ۱۳۲، الداری المقدمہ باب السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ ج ۱ ص ۱۴۴، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ج ۲ ص ۱۹۰، تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۳۷، ۳۸، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب بغدادی ص ۸، لسان المیزان لابن حجر ج ۱ ص ۳، حجۃ اللہ البالغۃ لشاہ ولی اللہ الدھلوی ج ۱ ص ۴۲۰ ـــــ ۱۲۷- کما فی عون المعبود للعظیم آبادی ج ۴ ص ۳۲۸ ـــــ ۱۲۸-معالم السنن للخطابی ج ۷ ص ۸ ـــــ ۱۲۹- عون المعبود للعظیم آبادی ج ۴ ص ۳۲۸ ـــــ ۱۳۰- تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۳۷-۳۸ ـــــ ۱۳۱-سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴ ص۳۲۹، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۷۴، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۶، مسند احمد، الدلائل النبوۃ للبیہقی، الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب ص ۱۰ ـــــ ۱۳۲- معالم السنن للخطابی ج ۷ ص ۸ ـــــ ۱۳۳- اخرجہ ابی داؤد فی مراسیلہ والبیہقی والداری ج ۱ ص ۱۴۵ والخطیب فی الکفایۃ ص ۱۲ وذکرہ الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۹۱ ومحمد جمال الدین القاسمی فی قواعد التحدیث ص ۵۹ ـــــ ۱۳۴- کما فی تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۳۷۴ والمرقاۃ للقاری ـــــ ۱۳۵- الصواعق المرسلہ ج ۲ ص ۳۴۰ ـــــ ۱۳۶- السنۃ للمروزی ص ۳۰ ـــــ ۱۳۷- اخرجہ ابی داؤد فی مراسیلہ وذکرہ القاسمی فی قواعد التحدیث ص ۵۹ ـــــ ۱۳۸- صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۳ وصحیح المسلم کتاب الفضائل ج ۴ ـــــ ۱۳۹- تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۰ ـــــ ۱۴۰- صحیح البخاری مع الفتح ج ۱۳ ص ۲۹۰ ـــــ ۱۴۱ نفس مصدر ج ۱۳ ص ۲۶۵ ـــــ ۱۴۲، ۱۴۳- نفس مصدر ج ۱۳ ص ۲۹۱ ـــــ ۱۴۴- مجمع الزوائد منبع الفوائد ج ۲ ص ۶ بحوالہ مسند البزار ـــــ ۱۴۵- الاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۷۶ ـــــ ۱۴۶- رسالہ "تدبر" لاہور عدد نمبر ۷ ۳ ص ۳۲ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء ـــــ ۱۴۷، ۱۴۸- نفس مصدر ـــــ ۱۴۹- نفس مصدر ص ۳۲-۳۳ ـــــ ۱۵۰- قواعد التحدیث ص ۵۹ بحوالہ مرقاۃ ـــــ ۱۵۱- الاحکام فی اصول الاحکام ص ۱۰۹ ـــــ ۱۵۲- الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ ص ۲۶ ـــــ ۱۵۳- فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۹۱ ـــــ ۱۵۴- الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۵۹ ـــــ ۱۵۵- نفس مصدر ـــــ ۱۵۶- المستصفی من علم الاصول ج ۱ ص ۱۲۹ ـــــ ۱۵۷- السنۃ للمروزی ص ۱۰ ـــــ ۱۵۸- قواعد التحدیث ص ۵۸ ـــــ ۱۵۹-النجم :۴ ـــــ ۱۶۰- کلیات ابی البقاء ص ۲۸۸ مطبعۃ الامیر قاہرہ ۱۲۸۱ھ ـــــ ۱۶۱-معارف القرآن ج ۲ ص ۵۴۲-۵۴۳ ـــــ ۱۶۲- نفس مصدر ج ۵ ص ۳۳۶ ـــــ ۱۶۳-مبادی تدبر حدیث ص ۳۵ ـــــ ۱۶۴- دو اسلام ص ۱۸۴ ـــــ ۱۶۵- نفس مصدر ص ۱۸۵ ـــــ ۱۶۶- نفس مصدر ص ۳۳۶-۳۳۷ ـــــ ○ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی یہ کتاب، جس کے اقتباسات دیئے گئے، ان کے دور ضلالت کی تحریر کردہ ہے جس میں انہوں پرویزی خیالات کی حمایت میں حدیث کی حجیت کا انکار کیا تھا۔ لیکن بعد میں اللہ نے ان کو ہدایت سے نواز دیا تھا اور انہوں نے اپنا توبہ نامہ بھی شائع کیا تھا اور حجیت حدیث پر ایک کتاب بھی تالیف فرمائی، جو مطبوعہ موجود ہے۔ غفر اللہ لہ (ص-ی) ـــــ ۱۶۷- کما فی تفہیمات للمودودی ص ۳۱۸ ـــــ ۱۶۸- الشریعہ للاجری حدیث نمبر ۳۰۶ ـــــ ۱۶۹- النحل :۴۴ ـــــ ۱۷۰-الحجر:۹ ـــــ ۱۷۱-الباعث الحثیث ص ۸۷، تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۸۲، اللالی المصنوعۃ ج ۲، ص ۴۷۲، تذکرۃ الموضوعات ص ۱۰۷ ـــــ ۱۷۲-مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۰۴ ـــــ ۱۷۳-الموضوعات

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

لابن الجوزی ج ا ص ۴۸، الضعفاء والمجروحین ج ا ص ۳۲ ـــــ ۱۷۴- تنزیہ الشریعہ لابن عراق ج ا ص ۱۶، اللالی المصنوعۃ للسیوطی ج ۲ ص ۴۷۴ ـــــ ۱۷۵-الموضوعات الجوزی ج ا ص ۴۹ ـــــ ۱۷۶- تنزیہ الشریعہ لابن عراق ج ا ص ۱۶، اللالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۴۷۴ ـــــ ۱۷۷- المدخل الی دلائل النبوۃ ج ا ص ۴۳ ـــــ ۱۷۸-الاحکام فی اصول لاحکام لابن حزم ج ا ص ۱۲۴ ـــــ ۱۷۹-نفس مصدر ج ا ص ۱۲۳ ـــــ ۱۸۰- الانبیاء:۴۵ ـــــ ۱۸۱-الاحکام لابن حزم ج ا ص ۸۸ ـــــ ۱۸۲- النجم:۳، ۴ ـــــ ۱۸۳- الانعام:۱۹ ـــــ ۱۸۴-الاحکام لابن حزم ج ا ص ۱۰۹-۱۱۰ ـــــ ۱۸۵- الصواعق المرسلہ ج ۲ ص ۳۷۱ ـــــ ۱۸۶- الحجر:۹ ـــــ ۱۸۷- عظمت حدیث ص ۴۳ ـــــ ۱۸۸- معارف القرآن ج ا ص ۲۸۱ ـــــ ۱۸۹-نفس مصدر ج ۵ ص ۳۳۷ ـــــ ۱۹۰- نفس مصدر ج ۷ ص ۱۴۱-۱۴۲ ملخصا ـــــ ۱۹۱- مقدمہ معارف الحدیث از حبیب الرحمٰن اعظمی ج ا ص ۱۷ ـــــ ۱۹۲- تفہیمات ج ا ص ۳۵۴-۳۵۵ اسلامک پبلیکیشنز مئی ۱۹۸۸ء ـــــ ۱۹۳- اصحاب الحدیث للخطیب بغدادی ص ۱۱، ۲۸، ۲۹ ـــــ ۱۹۴- امام بیہقی نے "المدخل" میں اس حدیث کی تخریج مرسلا کی ہے لیکن صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرات ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، ابی امامہ الباھلی اور اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث موصولاً بھی مروی ہے۔ ابن عدی نے مقدمہ "الکامل" ص ۱۹۰، ۲۳۱-۲۳۳ اور "الکامل" ج ا ص ۱۵۲-۱۵۳، ج ۲ ص ۵۱۱ ج ۳ ص ۹۰۴، ابونصرالجزی نے "الابانۃ عن اصول الدیانۃ" میں، ابو نعیم اصبہانی، ابن عساکر، حاکم، دیلمی، عقیلی اور بزار رحمہم اللہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ علامہ خطیب بغدادی نے "شرف اصحاب الحدیث" اور "الجامع" ج ا ص ۱۲۸ میں اس حدیث کی روایت حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری وغیرہ سے کی ہے۔ امام ابن حاتم نے "الجرح و التعدیل" ج ۱/۲ ص ۱۷ میں، ابن قتیبہ نے "عیون الاخبار" ج ۲ ص ۱۱۹ میں، ابن حبان نے "الثقات" ج ۴ ص ۱۰ میں، ابن عبدالبر نے "التمہید" ج ا ص ۵۸-۶۰ میں، حافظ عراقی نے "فتح المغیث" ص ۱۴۲-۱۴۴ میں، خطیب تبریزی نے "مشکوٰۃ" ج ا ص ۵۴ مع تنقیح الرواۃ میں، علامہ متقی الھندی نے "کنز العمال" ج ۱۰ ص ۱۷۶ میں، علامہ ھیثمی نے "کشف الاستار" ج ا ص ۸۶ میں اور عبدالرحمٰن مبارکپوری نے "مقدمہ تحفۃ الاحوذی" ص ۷ میں اس کو وارد کیا ہے۔ لیکن دارقطنی کا قول ہے: "ان لا یصح مرفوعا یعنی مسندا" مفتاح دارالسعادۃ لابن قیم ج ا ص ۱۶۳-۱۶۴ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "اسانیدہ کلھا مضطربۃ غیر مستقیمۃ" (اسد الغابۃ لابن الاثیر ج ا ص ۵۳) حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں: "وکلھا ضعیفۃ لا یثبت منھا شیئ ولیس فیھا شیئ یقوی المرسل المذکور" (التقیید والایضاح ص ۱۱۶، فتح المغیث للعراقی ص ۱۴۳-۱۴۴، تدریب الراوی ج ا ص ۳۰۳) امام ابن کثیر کا قول ہے: "فی صحتہ نظر قوی والاغلب عدم صحتہ ولو صح لکان ما ذھب الیہ قویا" (الباعث الحثیث ص ۹۴) لیکن امام احمد نے اس کی تصحیح فرمائی ہے" (شرف اصحاب الحدیث ص ۲۹، فتح المغیث للعراقی ص ۱۴۳، التقیید والایضاح للعراقی ص ۱۱۶، تدریب الراوی ج ا ص ۳۰۳، الجامع للخطیب ج ا ص ۱۲۹ وغیرہ) امام ابن القطان نے امام احمد کے کلام پر تعقب کیا ہے۔ (الاصابۃ ج ا ص ۱۱۸ کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۷۶)۔ جس کا تذکرہ آگے ہوگا۔

امام ابن مندہ نے اس حدیث کی روایت بطریق الحسن ابن عرفۃ حدثنا اسماعیل بن عیاش عن معاذ بن رفاعۃ قال حدثنی ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری وکان من الصحابۃ عن النبی ﷺ قال (فذکرہ) کی ہے، اور فرماتے ہیں: "ولم یتابع ابن عرفۃ علی قولہ وکان من الصحابۃ" یعنی ابن عرفہ کے قول کہ "وکان من الصحابۃ" کی متابعت نہیں پائی جاتی۔ قاضی وکیع کی کتاب "الغرر فی الاخبار" میں حسن بن عرفہ کی جو روایت مروی ہے اس میں "وکان من الصحابۃ" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ ابن مندہ نے اسے بطریق معاذ عن ابراہیم قال قال رسول اللہ ﷺ بھی روایت کیا ہے۔

magazine.mohaddis.com

امام ابو نعیم نے اپنی کتاب میں اس کو وارد کرنے کے بعد لکھا ہے: "وھکذا رواہ الولید عن معاذ و رواہ محمد بن سلیمان بن ابی کریمۃ عن معاذ عن ابی عثمان عن اسامۃ ولا یثبت" یعنی اسی طرح ولید نے معاذ سے اس کی روایت کی ہے اور محمد بن سلیمان بن ابی کریمہ نے معاذ سے، انہوں نے ابو عثمان سے اور انہوں نے حضرت اسامہ سے بھی اس کی روایت کی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "خطیب بغدادی نے اس طریق کو "شرف اصحاب الحدیث" میں موصولاً روایت کیا ہے۔ امام ابن عدی نے اس حدیث کو بہت سے طرق کے ساتھ وارد کیا ہے لیکن وہ سب طرق ضعیف ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا ہے: "رواہ الثقات عن الولید عن معاذ عن ابراہیم، قال حدثنا من اصحابنا ان رسول اللہ ﷺ فذکرہ" (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ج۱ ص۱۲۴)

حضرات ابو ہریرہ اور ابن عمر سے مروی امام بزار کی روایت کے متعلق علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: "اس کی سند میں عمرو بن خالد القرشی ہے جس کی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نے تکذیب فرمائی ہے اور وضع احادیث کی طرف نسبت کی ہے" (مجمع الزوائد ج۱ ص۱۴۰)

محمد بن ابراہیم الوزیر الصنعانی فرماتے ہیں: "یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ابی امامہ الباھلی اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً مسنداً مروی ہے" امام عقیلی نے حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمرو بن العاص سے مسنداً اس کی روایت کی ہے اور فرماتے ہیں: "الاسناد اولی" لیکن حافظ زین الدین عراقی نے اس کی اسناد کی تضعیف فرمائی ہے۔ ابن قطان فرماتے ہیں: "الارسال اولی" امام ابن عدی کا قول ہے: "اس کی روایت ہمارے اصحاب میں سے ثقات نے ولید بن مسلم عن ابراہیم بن عبدالرحمٰن کے طریق سے بھی کی ہے۔" امام ذہبی فرماتے ہیں: معان یعنی ابن رفاعہ عن ابراہیم بن عبدالرحمٰن الغذری التابعی سے متعدد لوگوں نے اس کی روایت کی ہے" علامہ صنعانی کا قول ہے: حدیث کی صحت قوی ہے جیسا کہ اس کی طرف اہل الحدیث کے امام احمد بن حنبل اور امام ابن حبان گئے ہیں" (الروض الباسم ج۱ ص۲۱۔۲۳، تنقیح الانظار ج۲ ص۱۲۹۔۱۳۲)

واضح رہے کہ امام عقیلی نے عبدالرحمٰن عمرو بن العاص اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت ابی امامہ الباھلی کے طریق سے بھی اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ (الضعفاء الکبیر ج۱ ص۹، ۱۰) لیکن آں رحمہ اللہ سے منقول "الاسناد اولی" کے الفاظ مجھے نہیں مل سکے اور امام ذہبی کے قول میں "ومعان لیس بعمدۃ" کے الفاظ بھی موجود ہیں جو امام رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۴۳)

علامہ قسطلانی حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "اس حدیث کو صحابہ میں سے حضرت علی، ابن عمر، ابن عمرو، ابن مسعود، ابن عباس، جابر بن سمرۃ، معاذ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے اس کو بکثرت طرق وارد کیا ہے جو کہ سب ضعیف ہیں جیسا کہ امام دارقطنی، ابو نعیم اور ابن عبدالبر نے صراحت کی ہے لیکن تعدد طرق سے اس کا تقویت پاکر حسن ہونا ممکن ہے جیسا کہ علامہ ابن کیکلدی علائی نے بالجزم بیان کیا ہے" (کمافی مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۷)

علامہ جمال الدین قاسمی حضرت اسامہ بن زید کی مرفوع حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اس حدیث کی ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کی ہے۔ امام ابن عدی، امام دارقطنی اور امام ابو نعیم نے اس کی تخریج کی ہے۔ اس حدیث کا متعدد طرق سے مروی ہونا تحسین کا متقاضی ہے جیسا کہ علائی نے بالجزم بیان کیا ہے" (قواعد التحدیث ص۴۹۔۵۰)

حافظ ابن قیم نے "مفتاح دار السعادۃ" ج ا ص ۱۶۳-۱۶۴ میں اس روایت کے متعدد طرق کو بلا نقد جمع کیا ہے۔ علائی حضرت اسامہ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: "انہ حسن غریب" (بغیۃ الملتمس ص ۳-۴، توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۲۹، تعلیق علی المشکاۃ للالبانی ج ا ص ۸۳) علامہ خطیب بغدادی اور حافظ عراقی وغیرہما ناقل ہیں: "کسی شخص نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلام موضوع ہے تو آپ نے فرمایا: "لا هو صحيح سمعه من غير واحد" یعنی "نہیں، یہ حدیث صحیح ہے میں نے اس کو متعدد حفاظ سے سنا ہے" (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۲۹، تنقیح الرواۃ للسید ابی الوزیر ج ا ص ۵۴، فتح المغیث للعراقی ص ۱۴۳، التقیید والایضاح للعراقی ص ۱۱۶، تدریب الراوی للسیوطی ج ا ص ۳۰۳، الجامع للخطیب ج ا ص ۱۲۹، مفتاح دار السعادۃ ج ا ص ۱۶۴ وغیرہ)

لیکن امام ابن القطان فرماتے ہیں: "وخفي على احمد من امره ما علمه غيره" التقیید والایضاح ص ۱۱۶، تدریب الراوی للسیوطی ج ا ص ۳۰۳) شیخ عبد الوہاب عبد اللطیف امام زرکشی سے ناقل ہیں: "وفيما صار اليه ابن القطان من تضعيفه نظر فانه يتقوى بتعدد طرقه الخ" (حاشیہ بر تدریب الراوی ج ا ص ۳۰۳) اس حدیث کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں: هذا اخبار منه ﷺ بصيانة هذا العلم وحفظه وعدالة ناقليه وان الله يوفق له في كل عصر خلفا من العدول، يحملونه وينفون عنه التحريف فلا يضيع وهذا تصريح بعدالة حامليه في كل عصر وهكذا وقع الله الحمد وهو من اعلام النبوة ولا يضر كون بعض الفساق يعرف شيئا من علم الحديث انما هو اخبار بان العدول يحملونه لا ان غيرهم لا يعرف شيئا منه" -(تہذیب للنووی ج ۱/ ا ص ۱۷ وکمافی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۷-۸ و قواعد التحدیث ص ۴۹-۵۰)

ڈاکٹر محمود الطحان کا قول ہے: اس حدیث کو ابن عدی نے الکامل وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ عراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے جملہ طرق ضعیف ہیں لیکن بعض علماء نے کثرت طرق کے باعث اسے حسن کہا ہے۔ ابن عبد البر کا یہ قول علماء کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ عادل لوگوں کو ایک دوسرے کے پیچھے اس کے علم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہئے۔ اس تاویل کی دلیل یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جائیں گے جو اس علم کے حامل ہونگے لیکن وہ عادل نہ ہونگے" (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۱۴۳)

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے "تعلیق علی المشکاۃ" میں اس حدیث پر فی الجملہ کوئی حکم لگانے سے توقف کیا ہے۔ (مشکاۃ المصابیح ج ا ص ۸۲-۸۳) لیکن "سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ" (ج ا ص ۴۸۵) میں اس کو ذکر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے بلکہ مفید اور اہم قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی نے "الضعفاء الکبیر" للعقیلی کے ضمیمہ میں اس حدیث کو "الاحادیث الصحیحۃ" کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ (ضمیمہ الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۵۲۵) غرض تحقیق یہ کہ راقم کے نزدیک زیر مطالعہ حدیث کی تحسین نظیرہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ——— ۱۹۵- دو اسلام ص ۱۱۸-۱۱۹ ——— ۱۹۶- پیش لفظ مذہبی داستانیں ج ۴ ص ۱۵ ——— ۱۹۷- رسالہ تدبر لاہور عدد نمبر ۷ ۳ ص ۳۴ بحریہ ماہ نومبر ۱۹۹۰ء ——— ۱۹۸- الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۵-۶ ——— ۱۹۹- قواعد التحدیث ص ۳۳۸ حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۱۸ ——— ۲۰۰- نظبۃ الاستیعاب علی حواشی الاصابۃ ج ا ص ۲ ——— ۲۰۱- رسالہ تدبر لاہور عدد ۷ ۳ ص ۳۳ بحریہ ماہ نومبر ۱۹۹۱ء ——— ۲۰- نفس مصدر ص ۳۴ ——— ۲۰۳- نفس مصدر ص ۳۷ ——— ۲۰۴- نفس مصدر ص ۳۴ ——— ۲۰۵- نفس مصدر ص ۳۷ ——— ۲۰۶- مقدمہ تفسیر تدبر قرآن ——— ۲۰۷- مبادی تدبر قرآن ص ۲۱۸ ——— ۲۰۸- مقدمہ بر معارف حدیث ج ا ص ۱۵ طبع دار الاشاعت کراچی ——— ۲۰۹- السنۃ مجیتہا ومکانتہا فی الاسلام ص ۹۳ ——— ۲۱۰- نفس مصدر ص ۹۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

۲۱۱- نفس مصدر ص۱۹ ـــــ ۲۱۲- حالانکہ خود ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب حفظہ اللہ ہی ذرا پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام قرآن و سنت کے احکام کے مابین کسی طرح کا فرق نہیں کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں آں محترم کے الفاظ یہ ہیں: کان الصحابة یلتفون حول الرسول ﷺ ، یشاهدون بعیونهم ویسمعون باذانهم وتعی قلوبهم ویتمسکون بسنته ولا یفرقون بین ماجاء فی ا لقرآن وماجاء فی السنة وحافظوا علی الکتاب العزیز والسنة الشریفة وابوا ان یکونوا ذلک الرجل الذی ینطبق علیه قو له ﷺ :یوشک الرجل متکئا علی اریکته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول: بیننا وبینکم کتاب الله عز وجل فما وجدنا فیه من حلال استحللناه وما وجدنا فیه من حرام حرمناه الاوان ماحرم رسول الله مثل ماحرم الله الخ" (السنة حجیتها ومکانتها فی الاسلام ص۲۲) ـــــ ۲۱۳- نفس مصدر ص۴۲۳-۲۱۴- نفس مصدر ص۲۵- Criticism of Hadith Among Muslims With Reference to Sunan Ibn Majah,P10,London,1986. ۲۱۶- السنة و مکانتها فی التشریع لعباس متولی حمادہ ص۵۳ ـــــ ۲۱۷- النجم:۳، ۴ ـــــ ۲۱۸- النساء:۸۰ ـــــ ۲۱۹- الحشر:۷ ـــــ ۲۲۰- النساء:۵۰ تا ۱۵۲ ـــــ ۲۲۱- النساء:۶۱ ـــــ ۲۲۲- سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج۴ ص۳۲۸، جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی ج۳ ص۳۷۴، سنن ابن ماجہ ج۱ ص۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۹ ص۳۳۲، سنن الدارقطنی ج۴ ص۲۸۷، الشریعة للاجری ص۵۶، الکفایہ للخطیب ص۸، الدارمی المقدمہ ج۱ ص۱۴۴، مسند احمد ج۴ ص۱۳۰-۱۳۲، تفسیر القرطبی ج۱ ص۳۷-۳۸، جامع بیان العلم و فضلہ ج۲ ص۱۹۰ ـــــ ۲۲۳- نفس مصادر ـــــ ۲۲۴- الموطا للامام مالک کتاب القدر نمبر۵۶۰، المستدرک للحاکم ج۱ ص۹۳ (بسند حسن)، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۱۰ ص۱۱۴، جامع بیان العلم و فضلہ ج۲ ص۲۴ ـــــ ۲۲۵- مراسیل ابی داؤد، الدارمی ج۱ ص۱۴۵، الکفایة للخطیب ص۱۲، فتح الباری ج۱۳ ص۲۹۱ ـــــ ۲۲۶- جامع بیان العلم و فضلہ ج۲ ص۱۲۳، المغنی لابن قدامہ ج۶ ص۱۶۵، سنن سعید بن منصور ج۱/۳ ص۱ ـــــ ۲۲۷- البقرہ-۱۷۴ ـــــ ۲۲۸- البقرہ-۱۵۹، صحیح البخاری مع فتح الباری ج۱ ص۲۱۳، صحیح المسلم کتاب الفضائل ج۴ ـــــ ۲۲۹- جامع بیان العلم لابن عبدالبر ج۲ ص۱۰۵ ـــــ ۲۳۰- صحیح البخاری مع فتح الباری ج۸ ص۶۳۰، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینة ج۳ ص۳۳۶، سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ج۲ ص۲۷۴، جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی ج۴ ص۱۶، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح ج۱ ص۶۴۰، الکفایہ للخطیب ص۱۲، جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر ج۲ ـــــ ۲۳۱- سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ج۲ ص۳۲۶ ـــــ ۲۳۲- نفس مصدر ـــــ ۲۳۳- جامع بیان العلم و فضلہ ج۲ ص۱۸۹ ـــــ ۲۳۴- الکفایة الخطیب ص۱۲ ـــــ ۲۳۵- الرسالة للامام الشافعی ص۷۸ ـــــ ۲۳۶- الکفایة للخطیب ص۸ ـــــ ۲۳۷- مرقاة شرح مشکوۃ ج۱ ص۲۱۲ ـــــ ۲۳۸- مصفی ج۱ ص۴ ـــــ ۲۳۹- کمافی فضائل الحدیث مولفہ عبدالسلام مستوی ص۲۵ طبع دہلی ـــــ ۲۴۰- حجیت حدیث للشیخ الالبانی ص۱۷ مترجم عبدالوهاب حجازی (بتصرف یسیر) وکذا فی سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة الالبانی ج۲ ص۲۸۶ ـــــ ۲۴۱- النساء ۶۴۰ ـــــ ۲۴۲- الحشر-۷ ـــــ ۲۴۳- النور-۶۳ ـــــ ۲۴۴- الاحزاب ۳۶ ـــــ ۲۴۵- الرسالة للامام الشافعی ص۷۳-۷۵ ملخصا ـــــ ۲۴۶- البقرہ-۱۲۹ ـــــ ۲۴۷- نفس مصدر ص۷۶-۷۸ ملخصا ـــــ ۲۴۸- رواہ الطبرانی فی الاوسط ـــــ ۲۴۹- مجمع الزوائد منبع الفوائد للہیثمی ج۱ ص۱۴۸ ـــــ ۲۵۰- کتاب المناقب لابن الجوزی ص۱۸۲ ـــــ ۲۵۱- الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ص۸۹ ـــــ ۲۵۲- الشوریٰ:۱۰ ـــــ ۲۵۳- نفس مصدر ص۸۹ ـــــ ۲۵۴- نفس مصدر ص۹۱ ـــــ ۲۵۵- شرح عقیدہ طحاویہ ص۲۱۷ طبع چہارم ـــــ ۲۵۶- تحقیق الکفر والایمان لمرتضیٰ حسن ص۱۵ طبع قاسمی دیوبند

مقالات

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

اشاعتِ اسلام اور تلوار

جہاد اسلام کی بلند چوٹی ہے لہٰذا اس کا جذبہ اسلام کی بقاء اور ترقی کی کلید ہے۔ مسلمان اقلیتوں (بلکہ بوسنیا اور چیچنیا وغیرہ مسلمان اکثریت والے علاقوں) کے خلاف ننگی جارحیت کا اعتراف تو سیکولر ممالک بھی کرنے پر مجبور ہیں لیکن دوسری طرف یہی لادین قوتیں (اقوام متحدہ جیسے مشترکہ عالمی ادارے سمیت) نہ صرف اس ظلم وستم کے خلاف کوئی عملی کاروائی کرنے سے گریز کر رہی ہیں بلکہ اس سلسلہ میں "جہاد" کے نام پر کاروائیاں انجام دینے والوں کو دہشت گرد قرار دینے سے بھی نہیں چوکتیں۔ حد یہ کہ اس وقت امریکہ اور یورپ کا پروپیگنڈا اسلامی بنیاد پرستی اور انتہاپسندی کے خلاف عروج پر ہے۔ یہ درست ہے کہ اب بقولے الکفر ملة واحدة اس بہانے برائی کی قوتیں یک زبان ہوگئی ہیں، تاہم مجاہدین کی تربیت اور غزوِ فکری کے طور پر ضروری ہے کہ نوجوانوں کو اسلامی آداب اور غازیانہ سلیقہ سے بھی آگاہ کیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ کفر و شرک کا فتنہ ختم کرنے والے خود مسلمانوں کے درمیان فتنہ ریزی کا باعث نہ بن جائیں۔

عام دینی جرائد میں جب ہم جہاد کے بارے میں فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کی بحثوں کا الجھاؤ دیکھتے ہیں تو بڑی کوفت ہوتی ہے کہ اس وقت مسئلہ، جہاد کے نعرے مارنے یا ان کی مخالفت کا نہیں بلکہ عوامی سطح پر جہاد کی تنظیم اور اس کے آداب کا ہے۔ اگرچہ قتال کا حکم بنیادی طور پر مسلمانوں کی جماعت اور امام کو ہوتا ہے، افرادِ اُمت کو براہِ راست نہیں۔ لہٰذا اس کے فرض عین ہونے کا براہ تعلق بھی مسلمان حکومتوں سے ہے جبکہ افرادِ امت کی تنظیم اور تنظیمی یونٹوں میں والدین کی اجازت کا مسئلہ اور مسلمان گروہوں کا اتحاد وغیرہ شرعی آداب فرضِ کفایہ کے تحت ہی آتے ہیں، ورنہ جہاد و قتال کا نعرہ لگانے والے تمام حضرات افرادِ خانہ سمیت خود محاذِ جنگ پر ہوتے حالانکہ وہ خود ایسا نہیں کر رہے۔

محدّث میں گاہے بگاہے جہاد کی تنظیم اور آداب پر خامہ فرسائی بھی ہوتی رہتی ہے تاہم زیر نظر مضمون بعض انتہا پسند جہادی گروہوں کے اس نعرہ کا استدراک ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا ہے۔ جو مولانا کیلانی نے جہاد کے موضوع پر اپنی زیر تسوید کتاب سے اشاعت کے لئے دیا ہے۔ البتہ اس تاریخی جائزہ کے ضمن میں حکمرانوں کے لئے جہاد کے بعض آداب پر روشنی بھی پڑتی ہے جن کی بعض (؟) نشان زدہ فقہی جزئیات محلِ نظر ہیں۔ امید ہے کہ موصوف کتاب کی اشاعت سے قبل ان پر تحقیقی نظر فرمالیں گے (محدث)

magazine.mohaddis.com

مستشرقین کا یہ پروپیگنڈہ بہت پرانا ہو چکا ہے کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" اور اس اعتراض کے کافی و شافی جواب بھی دیئے جا چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ اعتراض نہ عقلی اعتبار سے درست ہے اور نہ نقلی اعتبار سے، مزید برآں تاریخی واقعات بھی اس اعتراض کی تائید کی بجائے تردید کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم مختصر سا جائزہ پیش کریں گے:

۱۔ اسلامی تعلیمات کی کسوٹی پر

نقلی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ نظریہ اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ [1] ..... (۲:۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں"

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ ..... (۱۰:۹۹)

"کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں"

اور اللہ تعالیٰ عوام کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ .... (۱۷:۲۹)

"جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے"

ایسے واضح ارشادات کی موجودگی میں کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہؓ نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہوگی اور ان واضح احکام کے بعد کسی کو اسلام لانے پر مجبور کیا ہوگا۔ مزید وضاحت کے لئے یہ آیت ملاحظہ کریں!

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾ .... (۹:۶)

"اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک اللہ کا کلام سن لے، پھر اُس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو"

---

(۱) مفسرین اس آیت کا شانِ نزول یہ لکھتے ہیں کہ انصارِ مدینہ یہود کو ان کے اہل علم ہونے کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اسی بنا پر اپنے بچوں کو یہودی بنانے کی نذر مانتے تھے۔ اس طرح مدینہ میں کچھ ایسے افراد بھی موجود تھے جو اصل میں تو عربی النسل تھے۔ مگر مذہباً یہودی بن گئے تھے۔ مدینہ سے جب یہود کا اخراج ہوا تو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ تو یہود بھی جلاوطن ہوں گے یا مدینہ میں رہیں گے۔ اس وقت یہ آیت اُتری۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ یہودی رہیں تو ان کو جلاوطن ہونا پڑے گا۔ بصورتِ دیگر یہ مدینہ میں رہ سکتے ہیں۔

غور فرمایئے کہ تلوار یا دباؤ کے استعمال کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا ہے، جب ایک مشرک کسی مسلمان کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے مجبور کرو یہاں تک کہ اسلام لے آئے یا پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسلام کی تبلیغ پورے طور پر کردو، مانے یا نہ مانے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ پھر اگر وہ نہیں مانتا تو بھی اس پر زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بجائے تمہیں یہ چاہئے کہ ایسی صورت میں اسے کسی محفوظ مقام پر پہنچادو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت عمرؓ کا غلام اسبق ایک عیسائی تھا۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے کیونکہ آدمی سمجھ دار اور ہوشیار تھا۔ آپ نے اسے یہ بھی کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مسلمانوں کے کام میں تم سے مدد لیں گے۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ آپ اسے کوئی اچھا منصب عطا کرنا چاہتے تھے لیکن جب اس پر اسلام پیش فرماتے تو وہ انکار کردیتا اور آپ ﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ کہہ کر چُپ ہو جاتے۔ (الجہاد فی الاسلام، ص ۱۶۳)

۲۔ عقل کی کسوٹی پر

عقلی اعتبار سے یہ مفروضہ اس لئے غلط ہے کہ تلوار کے زور سے کسی سے کوئی بات منوائی نہیں جاسکتی اور اگر بہ جبر واکراہ کوئی شخص ایک بات مان بھی جائے تو اسے اس بات پر قائم نہیں رکھا جاسکتا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہوئے وہ دل و جان سے اسلام کے فدائی اور شیدائی بن گئے۔ بلاشبہ کچھ لوگ مرتد بھی ہوئے۔ لیکن ان کا شمار ایک فی ہزار بھی نہیں اور یہ مقدار نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر تلوار کے ذریعہ کوئی بات منوائی جاسکتی ہے تو قریشِ مکہ نے حضور اکرم ﷺ اور دوسرے مسلمانوں سے اپنی بات کیوں نہ منوالی۔ جبکہ انہوں نے اپنی ایڑی چوٹی کا زور بھی صرف کر لیا تھا یا جن مشہور فاتحین نے بہت سے علاقے فتح کئے، ان میں سے کیا کوئی ایسا بھی مفتوح علاقہ بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے جس نے فاتح قوم کے نظریات کو محض تلوار کے زور سے دل و جان سے تسلیم کرلیا ہو؟

مندرجہ بالا واقعہ میں حضرت عمرؓ اپنے ایک غلام کو بھی مسلمان نہیں بنا سکے تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وسیع و عریض مفتوحہ علاقہ میں انہوں نے مفتوحین کو تلوار سے مسلمان بنالیا ہوگا۔

تاریخی حقائق کی کسوٹی پر

اگر "تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلنے" کے نظریہ کو درست سمجھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل

سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں:

۱۔ ابتداء میں جو لوگ مسلمان ہوئے اور ۱۳ سال تک مکہ میں ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے انہیں کون سی تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

۲۔ مدینہ پہنچ کر جنگِ بدر کے میدان میں مسلمانوں کے پاس کون سی تلوار تھی؟ تلوار اگر تھی تو وہ قریش کے پاس تھی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جنگِ بدر تک کے چودہ سال میں صرف ۳۱۳ مجاہدینِ اسلام جنگ میں شریک ہوئے ہیں لیکن ایک سال بعد جنگِ اُحد میں یہ تعداد سات سو تک جا پہنچی ہے۔ یعنی ایک سال میں تعداد دُگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ اضافہ کون سی تلوار نے کیا تھا؟

۳۔ جنگِ اُحد میں بھی تلوار دشمن کے پاس تھی جو تعداد میں چار پانچ گنا بھی تھا اور مسلح بھی لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سی تعداد مسلمانوں سے آملتی ہے اور ۲ سال بعد جنگِ خندق کے موقع پر مجاہدین کی تعداد ۳ ہزار یعنی جنگِ اُحد سے بھی چار گنا ہو جاتی ہے۔

۴۔ صلح حدیبیہ میں تلوار کا مسئلہ ہی سامنے نہیں آیا۔ لیکن مسلمانوں کی جمعیت میں لاتعداد اضافہ ہو گیا۔

۵۔ یہودیوں سے جنگیں ہوئیں۔ ان میں بھی تلوار یہودیوں کے پاس تھی۔ جیساکہ ان کا اپنا بیان ہے۔ ان کی مشہور جنگ 'خیبر' تھی۔ جس میں مسلمان صرف چودہ سو تھے اور یہود ۱۰ ہزار۔ اس کے نتیجہ میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

۶۔ فتح مکہ میں یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ قریش مکہ کو عام معافی تو مل چکی تھی۔ پھر انہیں اسلام لانے پر کون سی تلوار نے مجبور کیا۔

۷۔ طائف میں محاصرہ اٹھا لینے کے بعد اہل طائف کو اسلام لانے کی کیا مجبوری پیش آگئی تھی۔

مندرجہ بالا پہلوؤں پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مفروضہ حقیقت پر مبنی نہیں۔ لیکن ایک حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور وہ یہ کہ "اسلام نہایت کثرت سے پھیلا ہے" اب ہمیں ایسے اسباب تلاش کرنے چاہئیں جو اس کثرتِ اشاعت کا باعث بنے۔ ہمارے خیال میں یہ اسباب اسلام کی ذاتی خصوصیات ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا ہم یہاں ذکر کریں گے:

اشاعتِ اسلام کے اسباب

۱۔ معاشرتی مساوات

کوئی شخص یا کوئی قوم جس وقت اسلام لاتی ہے، اس وقت سے اُسے سابقہ مسلمانوں کے

سے جملہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کثرتِ اشاعت اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ بنی۔

جرمن قوم اگر کوئی علاقہ فتح کرے۔ تو مفتوح قوم کتنا ہی جرمن قوم کی طرح اپنے عادات و اطوار اور لباس کو ڈھالنے اور اپنے آپ کو فاتح قوم کے رنگ میں رنگنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ پھر بھی وہ جرمن قوم میں شمار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی جرمن قوم اسے اپنی قوم جیسے اور حقوق عطا کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہے، یہی حال دوسری فاتح اور مفتوح قوموں کا ہے۔ لیکن مسلمان اگر کسی علاقے کو فتح کریں اور مفتوح علاقہ اسلام لے آئے۔ تو فاتح و مفتوح کے درجہ میں چنداں فرق نہیں رہتا۔ مفتوحہ علاقہ اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ اس پر نہ کوئی جزیہ ہے نہ خراج اور نہ ہی حکمران کی تبدیلی۔ غرضیکہ اسلامی حکومت مفتوحہ علاقے میں کسی قسم کی انتظامی تبدیلی نہیں کرتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حکمران اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر اسلامی حکومت میں پہلے سے بھی زیادہ معزز بن جائے۔ ہمیں تاریخ سے ایسے واقعات مل جاتے ہیں کہ کئی حکمرانوں اور قوموں نے اسلام اسی وجہ سے قبول کیا تھا۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کے سالار کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد نے تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان اس کے ہمراہ کئے کہ اصطخر کی طرف جاکر اسلامی فوج کا مقابلہ کرے جب اسلامی فوجیں تشریف پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کرکے کہا کہ:

> "ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے، اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم الگ خود اسلام قبول کرلیں" ـــــ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے"

(فتوح البلدان: ص ۳۷۴)

ان لوگوں کے اسلام لانے پر سیابجہ، فوط اور اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئیں اور ایرانی فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

یہی صورتِ حال شام اور مصر کی اطراف میں بھی تھی اور لوگ عہد فاروقی میں کثرت سے مسلمان ہوئے۔ جو کہ اسلام کی فیوض و برکات کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے، تلوار کے زور سے تو حضرت عمرؓ اپنے غلام کو بھی مسلمان نہ بنا سکے، دوسروں کو کیسے بنا سکتے تھے؟

اسی معاشرتی مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام ذات پات میں تمیز کا قائل نہیں ہے

magazine.mohaddis.com

نہ گورے کو کالے پر کچھ فوقیت ہے، نہ عربی کو عجمی پر۔ بلالؓ حبشی کو امیرالمومنین حضرت عمرؓ "سیدنا" کہہ کر پکارتے ہیں۔ مسجد میں آقا و غلام، گورے اور کالے، نچلی اور اونچی ذات والے، امیر اور غریب سب ایک ہی صف میں ایک ہی حیثیت سے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اسلام ہی کو شرف حاصل رہا ہے کہ پہلے بھی اور آج بھی معاشرے کا نچلا طبقہ، جسے اونچا طبقہ عموماً دھتکار دیتا ہے، ہمیشہ اسلام کے دامن میں آخر پناہ لیتا رہا ہے۔ ابھی چند سالوں کی بات ہے اخبارات میں ایک خبر اس طرح کے عنوان کے شائع ہوئی تھی:

"جنوبی بھارت میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آکر ۱۳۰۰ ہریجنوں نے اسلام قبول کرلیا" (نوائے وقت، ۴ جولائی ۱۹۸۱ء)

بتلایئے ان ہریجنوں کو کون سی تلوار نے اسلام لانے پر مجبور کیا تھا؟

پھر ۵ جولائی کو اسی اخبار نوائے وقت میں ہندوستان کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی طرف سے یہ خبر شائع ہوئی۔ جس میں وزیراعظم نے کہا تھا:

"مجھے تکلیف ان لوگوں کے اسلام لانے پر نہیں، بلکہ اسباب پر ہے؟"

اور یہ "اسباب" جن پر وزیراعظم صاحبہ کو افسوس ہوا وہ تو ان کے مذہب کا جزوِ لاینفک ہے۔ ہندو مت برہمن کو تو بالاتر مخلوق سمجھتا ہے لیکن شودر کو انسان بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ شودر برہمن کا پیدائشی غلام ہے اور غلامی کا یہ پھندا کسی صورت اس کی گردن سے اُتر نہیں سکتا۔ انہی "اسباب" کو اسلام نے ختم کیا۔ اور انہی اسباب کے خاتمہ کی وجہ سے اسلام ہر دور میں پھیلتا رہا اور ہندوستان میں بھی پھیلا۔

اب یہاں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ان ہریجنوں نے ہندو مت کی ذات پات کی اس انسانیت کش تقسیم سے تنگ آکر آخر اسلام ہی کیوں قبول کیا۔ کوئی دوسرا مذہب کیوں نہ قبول کرلیا۔ اس بات کا جواب، نوائے وقت، ۳۱ جولائی ۱۹۸۱ء کی مندرجہ ذیل خبر سے آپ کو مل جائے گا۔ خبر کا عنوان ہے: "پانڈیچری میں ڈیڑھ ہزار مزید ہریجن مسلمان ہوگئے"

"پانڈیچری: ۳۰ جولائی (ن۔ر) ہریجنوں کے لیڈر مسٹر سی۔ کرشنا مورتی نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اخباری نمائندوں کو بتایا کہ عیسائی مذہب قبول کرنے سے سماجی حیثیت بلند نہیں ہوتی لیکن مسلمان ہونے سے ہمارا سماجی مرتبہ بڑھ جاتا ہے ہمارے لئے یہ فیصلہ حتمی ہے اور اس میں کوئی سیاسی مصلحت نہیں..... واضح رہے کہ اس سے قبل تامل ناڈو کے موضع مناکشی پورم میں ہریجنوں نے اجتماعی طور پر مذہبِ اسلام قبول کر لیا ہے"

(نوائے وقت، حوالہ مذکور ص ۱)

۲- قانونی مساوات

قانونی مساوات سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی ممتاز فرد حتیٰ کہ صدرِ مملکت بھی قانون کی دسترس سے بالا تر نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو اسلامی ریاست کے علاوہ اور کہیں پایا جانا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ، اللہ کی ذات ہے۔ جبکہ باقی سب لوگ ایک ہی سطح پر اس کے محکوم اور اطاعت گذار بندے ہیں۔ ایک دفعہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو پیش کرکے یہ اعلان کردیا: "جس کسی نے مجھ سے کوئی بدلہ یا قصاص لینا ہو تو آج لے سکتا ہے" پھر جب آپ کے قبیلہ قریش کی ذیلی شاخ کی ایک عورت فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی تو آپ سے اس جرم کی سزا موقوف کرنے کی سفارش کی گئی۔ آپ نے فرمایا:

> "پہلی اُمتوں کی ہلاکت کا سبب ہی یہ تھا کہ جب ان سے کوئی کمزور جرم کرتا تو اُسے سزا دیتے اور اگر شریف وہی جرم کرتے تو ان کی سزا موقوف کردی جاتی۔ یہ تو فاطمہ مخزومیہ کی بات ہے، اللہ کی قسم اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا" (بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود)

خلافت راشدہ کے دوران کئی بار ایسا ہوا کہ خلیفۂ وقت کو مدّعی یا مدّعا علیہ کی صورت میں عدالت میں پیش ہونا پڑا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اکثر فیصلہ ان کے خلاف صادر ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتخاب کے بعد پہلا خطبہ جو ارشاد فرمایا۔ اس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں: "تمہارا کمزور میری نگاہ میں قوی ہے اور قوی میری نگاہوں میں کمزور ہے" جس کا مطلب واضح الفاظ میں یہ تھا کہ تمام قانونی طاقتیں کمزور کے ساتھ ہیں جب تک کہ اُسے ظالم سے اس کا حق نہ دلوادوں اور طاقتور کو قانون کی طاقت سے، روکنے کی پوری کوشش کروں گا۔

چنانچہ ان خلفاء نے ایسا نظامِ عدالت رائج کیا جہاں مفت اور بلا تاخیر انصاف حاصل ہوتا تھا۔ دورِ فاروقیؓ میں شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو رومیوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ شہنشاہ کا دربار اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر آپ نے فرمایا:

> "تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے۔ لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اُس کو ہم پر ترجیح نہیں۔"

(الفاروق از شبلی نعمانی، ص ۱۲۵، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز۔ لاہور ۱۹۷۶ء)

حضرت علیؓ کے اپنے دورِ خلافت میں ان کی اپنی زرہ چوری ہوگئی۔ جو آپ نے ایک یہودی

کے پاس دیکھ لی تو حضرت علیؓ نے یہ نہیں کیا کہ اس یہودی سے اپنی زرہ چھین کر اسے کیفر کردار کو پہنچا دیتے بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں اس یہودی پر دعویٰ دائر کردیا۔ حضرت علیؓ کے پاس بطورِ گواہ ان کے بیٹے حسنؓ اور ان کے غلام تھے۔ قاضی شریح نے آپ کا مقدمہ صرف اس بنا پر خارج کردیا کہ یہ شہادتیں اسلامی ضابطہ عدل کے تقاضے پورے نہیں کرتیں۔ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں اور غلام کی شہادت اپنے آقا کے حق میں ناقابل قبول ہے۔ حالانکہ عدالت کو خوب معلوم تھا کہ مدعی اور گواہ سب عادل اور ثقہ ہیں لیکن عدل کا تقاضا یہی تھا، مقدمہ خارج کردیا جائے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر یہودی نے زرہ بھی واپس کردی اور خود بھی مسلمان ہوگیا۔

غور فرمایئے، اس یہودی کو اسلام لانے پر کس بات نے مجبور کیا تھا؟ اور یہ بھی سوچئے کہ اس بات سے کیا وہ اکیلا ہی مسلمان ہوا ہوگا؟ اور یہ بھی کہ وہ مسلمان تو ہوا، لیکن اس نے زرہ کیوں واپس کردی؟ ایسے واقعات دراصل انفرادی نتائج کے حامل نہیں ہوتے بلکہ ایک جہاں کے افکار و نظریات میں تلاطم برپا کرتے ہیں۔

۳۔ کردار کی پاکیزگی

ہمارے خیال میں اشاعتِ اسلام کا تیسرا بڑا سبب مسلمانوں کے کردار کی بلندی اور پاکیزگی ہے۔ صدرِ اول کے مسلمانوں کا سب سے بڑا ذریعہ تبلیغ ان کا اپنا عمل و کردار تھا۔ ان کی زندگی سادہ اور تکلفات سے پاک تھی۔ دشمن انکے کردار کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

دمشق اور حمص میں شکست کھانے کے بعد عیسائی انطاکیہ پہنچے اور وہاں جاکر ہرقل شہنشاہِ روم سے فریاد کی کہ اہل عرب نے تو تمام شام کو پامال کردیا۔ ہرقل نے ان میں چند تجربہ کار اور معزز آدمیوں کو دربار میں بلا کر کہا "عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سروسامان میں الغرض ہر لحاظ سے کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے"؟ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکالیا۔ البتہ ایک تجربہ کار بوڑھے نے عرض کی:

> "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برابری سے ملتے ہیں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، اپنے عہد کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے، ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے"
>
> (الفاروق، ص ۱۸۹)

اس بوڑھے عیسائی کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پھل پک کر تیار ہو چکا ہے اور عنقریب

اسلام یہاں بھی غالب آنے والا ہے۔ محمد بن قاسم سندھ اور ملتان کے علاقہ میں تھوڑی ہی مدت رہا۔ وہ عظیم جرنیل ہونے کے علاوہ جہاں بانی کی صفات سے بھی مالا مال تھا۔ حکومت اور سندھی بٹ پرستوں سے مذہبی رواداری نے سندھیوں کے دلوں کو کچھ اس طرح موہ لیا تھا کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے واپس گیا تو سندھی اس کی تصویریں بنا بنا کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ وہ اسے رحمت کا فرشتہ سمجھتے تھے پھر جب انہیں محمد بن قاسم کی دردناک موت کا حال معلوم ہوا تو سارے ملک نے سوگ منایا۔ (تاریخ اسلام، حمید الدین، ص ۳۰۸)

یہ سندھی لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ پھر آخر کیا چیز تھی جس نے انہیں محمد بن قاسم کا اس قدر گرویدہ بنا دیا تھا۔ محمد بن قاسم نے انہیں مسلمان بنانے کی ہر ممکن کوشش بھی نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ از خود اسلام کے قریب تر آرہے تھے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ کیا یہ تلوار کا کرشمہ تھا؟

۴۔ معاملات کی صفائی

اسلام میں حلال کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ وہ جائز و ناجائز کی بڑی تفصیل سے وضاحت کرتا اور ناجائز ذرائع سے کمائے ہوئے مال کو حرام قرار دیتا ہے یعنی دین اور معاملات کی صفائی بالخصوص ایسے حالات میں ایک امتحان بن جاتی ہے جب کہ کسی محنت یا حق کا معاوضہ تو پیشگی وصول کیا جا چکا ہو اور اس حق یا محنت کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کا اختیار بھی کلیۃً معاوضہ وصول کرنے والے کے ہاتھ میں ہو۔ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص یا ادارہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز کرتا ہو تو وہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور دوسرے لوگ اس کے کردار کی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شام کی فتوحات کے سلسلہ میں کچھ جنگی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کو حمص سے واپس دمشق جانا پڑا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اہلیانِ حمص سے جزیہ وصول کر چکے تھے اور ان کی دفاعی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر چکے تھے۔

آپ نے ان لوگوں کو اکٹھا کیا اور کہا:

> "ہم کو جو تعلق تمہارے ساتھ تھا وہ اب بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو خدمت کا معاوضہ ہے، تم کو واپس کیا جاتا ہے"

چنانچہ کئی لاکھ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔

عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے

magazine.mohaddis.com

جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا:

"تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں، قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہرِ پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ پہرہ بٹھا دیا" ..... (الفاروق: ص ۱۹۱)

اب دیکھئے یہودی حمص پر عیسائیوں کا فیصلہ گوارا نہیں کر سکتے اور ان پر مسلمانوں کو ترجیح دے رہے ہیں۔ عیسائی خود بھی ہرقل کے بجائے مسلمانوں کے چلے جانے پر آنسو بہاتے ہیں۔ تلوار کا کام تو ختم ہو چکا تھا، اب ان لوگوں کے دلوں کو کس چیز نے مسحور کر دیا تھا؟

۵۔ عفو و درگذر

جب کسی دشمن پر پوری طرح قابو پالیا جائے، اس وقت اس کے جرائم سے چشم پوشی کر کے اُسے معاف کر دینا بڑے حوصلہ کا کام ہوتا ہے۔ یہ بات بھی اشاعتِ اسلام کے اسباب میں سے ایک بڑا اہم سبب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ:

۱۔ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر ایک بدّو، درخت سے لٹکی ہوئی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے۔ آپ ﷺ اٹھے تو اس بدو نے جو کہ آپ کے دشمن قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، کہا: "اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے"؟ آپ نے کہا "میرا اللہ" یہ سنتے ہی اس پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے تلوار سنبھالی۔ بعد ازاں اسے معاف کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ خود ہی مسلمان نہیں ہوا بلکہ اس کا قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اشاعتِ اسلام کا یہ کام اس وقت ہوا جب تلوار نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا۔

۲۔ صلحِ حدیبیہ کے وقت ابتدائی سفارتی بات چیت کے دوران چند نوجوانانِ قریش ۲۰۰ کی جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے جنہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی اور وہ گرفتار ہو گئے۔ آپ نے خیرسگالی کے طور پر سب کو چھوڑ دیا۔ پھر صلح حدیبیہ میں بھی ظاہر طور پر توہین آمیز شرائط قبول کر کے لڑائی پر امن کو ترجیح دی جس کا اثر یہ ہوا کہ بے شمار قبائل از خود مسلمان ہو گئے۔

۳۔ فتح مکہ کے دوران آپ نے اپنے ازلی دشمنوں پر پوری طرح قابو پالینے کے بعد عام معافی کا اعلان کیا۔ تو اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام اتنی تیزی سے پھیلا کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ اور ایسے کئی دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سختی، جبر یا تلوار وہ کام کبھی نہیں کر سکتی جو نرمی اور عفو و درگزر سے از خود سرانجام پا جاتا ہے۔

قول فیصل

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں جو اسلام کی اشاعت کا باعث بنیں۔

لیکن بایں ہمہ حقیقت یہی ہے کہ اسلام کی اشاعت میں قوت و شوکت کا بھی ایک گونہ ضرور تعلق ہے۔ گو یہ دسواں حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ معاندینِ اسلام جو اس بات پر سارا زور صرف کردیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، وہ بھی ایک انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ دوسرا گروہ اس الزام کی مدافعت میں سارا زور اس بات پر صرف کرتا ہے کہ اسلام کی اشاعت محض اس کی ذاتی خوبیوں کی بنا پر ہوئی۔ ہمارے خیال میں اسلام کے حامیوں کا یہ گروہ بھی دوسری انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

مانا کہ اسلام میں یہ خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن ان خوبیوں کو آشکارا کرنے اور "حق" کو بروئے کار لانے کے لئے بھی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ قوت اسلام کو تلوار کے ذریعہ بھی مہیا ہوئی۔ اگر اشاعت اسلام میں تلوار کا کچھ بھی حصہ نہ تھا تو قتال کی ترغیب کیوں دی گئی۔

اشاعتِ اسلام میں تلوار کا حصہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے دو حصے ہیں (۱) امر بالمعروف (۲) نہی عن المنکر

امر بالمعروف کو ماننا اور انکار کردینا، مخاطب کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ایک شخص کسی دوسرے کو عقیدۂ توحید، آخرت یا اسلام لانے کی دعوت دیتا ہے اور وہ قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ تو اس پر نہ جبر کیا جاسکتا ہے نہ تلوار سے ڈرایا دھمکایا جاسکتا ہے لیکن جہاں تک نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو یہ فریضہ قوت کے بغیر پورا ہو ہی نہیں سکتا۔

اسلام محض عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ جاوید تہذیب ہے جو مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا اور اس کے قانون کے نفاذ کے لئے قوت چاہتا ہے۔ اگر کسی جگہ ظلم ہو رہا ہو۔ زنا، چوری، ڈاکہ، قتل و غارت کی وارداتیں ہو رہی ہوں، لوگوں کا امن و چین غارت ہو رہا ہو۔ تو اسلام حرکت میں آئے گا اور تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی اصلاح کرے گا خواہ یہ علاقہ مشرکین کا ہو یا اہل کتاب کا اور خواہ اس میں مسلمان ہی رہتے ہوں۔

حضور کی مکی زندگی میں چونکہ اسلام کے پاس قوت نہیں تھی۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں طرح کے کام زبانی تبلیغ سے سرانجام دیئے جاتے رہے قرآن جیسا معجزانہ کلام، حضور اکرم ﷺ کا سا بلند کردار، آپ کے جاں نثاروں کی قربانیاں، خود حضور اکرم ﷺ کا اپنی جان تک تبلیغ میں کھپا دینا اور بہترین طریقِ تبلیغ، اِن سب طرح کی کوششوں کے باوجود یہ تو نہ ہوسکا کہ قریشِ مکہ ایمان لے آتے۔ بیشک اسلام کی حقانیت کے دل سے معترف ہوچکے تھے لیکن اسلام کچھ پابندیاں بھی عائد کرتا تھا جو انہیں گوارا نہ تھیں۔ انہیں اپنے بعض مفادات سے بھی دستبردار ہونا پڑتا تھا جس کے لئے وہ قطعاً تیار نہ تھے۔ جو مزے انہیں اپنی خود پسند اور بے ضابطہ زندگی میں حاصل ہو رہے تھے، اسلام لانے کی صورت میں ان میں سے اکثر سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔

magazine.mohaddis.com

تلوار کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ بگڑی ہوئی طبیعتوں کو راہِ راست پر لے آتی ہے۔ وہ ہدایت کے رستے کی رکاوٹوں کو دور کردیتی ہے پھر جو طبائع نیکی کی طرف مائل ہوتی ہے، ان کے لئے رستہ صاف ہوجاتا ہے اور جب تک مصیبت اور ظلمت کے یہ پردے چاک نہ ہوں، تبلیغ خواہ کتنی ہی دل نشین انداز میں ہو، غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر تلوار کا اشاعت میں کچھ حصہ نہ ہوتا تو حضور ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

تلوار کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ تبلیغ کے بیج کے لئے زمین کو نرم کردیتی ہے۔ اسلام کی تلوار نے حق کی دشمن اور باطل قوتوں کا قلع قمع کرکے اسلام کے بیج کے لئے زمین کو ہموار اور نرم بنا دیا۔ اسلام کے بیج میں اتنی اہلیت اور قوت ہے کہ اگر اسے فضا سازگار میسر آجائے تو پھل پھول کر تناور اور سدا بہار درخت بن سکتا ہے۔

۲۔ جہاد فی سبیل اللہ اور عام جنگوں میں فرق

مستشرقین نے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ عام دنیا کی جنگوں اور جہاد میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں کا مقصد کشور کشائی اور اپنی ہمسایہ قوموں کو مفتوح بنا کر ان سے مالی مفاد حاصل کرنا ہے۔ اس دلیل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کہہ دے کہ سونا اور پیتل ایک ہی چیز ہے کیونکہ دونوں چیزیں دھات سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا رنگ بھی ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ اسلام میں کشور کشائی مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات نظامِ عدل کا قیام ہے۔ یہ نظام عدل بعض دفعہ کشور کشائی کے بغیر بھی میسر آجاتا ہے۔ اگر کشور کشائی کے بعد بھی یہ نظام قائم نہ ہو تو اسلامی نقطہ نظر سے ایسی فتح کا کوئی جواز نہیں۔ ہم ذرا غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے۔ جہاد اور عام جنگیں، اپنے مزاج، مقاصد، طریق کار، انجام کار اور نتائج غرض ہر بات میں ایک دوسرے سے مختلف اور متبائن ہیں۔ ذیل میں ہم انہیں یک جا طور پر پیش کرتے ہیں:

(ا) مقاصد کا فرق

دنیا میں ہمیشہ یہ چلا آیا ہے کہ بھائی، بھائیوں کی مدد میں لڑے ہیں۔ قبیلے، قبیلوں کی حمایت میں۔ خاندان، خاندانوں کی عصبیت میں، حتیٰ کہ ملک، ملک کی حمایت و حفاظت میں جانیں دیتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی قوم یا ملک کے ذاتی مفادات یا سیاسی مفادات کو دنیا میں پیدا شدہ کسی بھی واقعہ سے آنچ آنے لگی تو وہ لڑائی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی قوم دوسروں کو مفتوح بنا کر سربلند ہو اور دنیا میں اپنا نام پیدا کرے۔ دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی کوئی جنگ ہوئی، انہی میں سے کسی ایک مقصد کے تحت ہوئی ہے لیکن اسلام ان تینوں

مقاصد میں سے کسی کو بھی درست تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ جنگ کا مقصد صرف یہ قرار دیتا ہے کہ دنیا سے فتنہ کا خاتمہ ہو اور اللہ کا بول بالا ہو۔ فتنہ و فساد کا خاتمہ اگر جنگ کئے بغیر ہو سکتا ہے تو جنگ کی کوئی ضرورت نہیں۔

اب دیکھئے کہ قرآنِ کریم نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا ہے، حالانکہ یہاں سرے سے کوئی جنگ ہوئی ہی نہیں۔ پھر اگر جنگ ہوئی ہی نہیں تو فتح کیسی اور فتح مبین کیسی؟ یہ صلح اس لحاظ سے فتح مبین قرار دی گئی کہ فتنہ و فساد کو ختم اور نیست و نابود کرنے کے لحاظ سے جتنے شاندار نتائج اس صلح سے برآمد ہوئے، اگر جنگ برپا ہو جاتی اور اس میں مسلمانوں کو فتح بھی حاصل ہو جاتی تو اس کے ایسے شاندار نتائج متوقع نہ تھے۔

پھر جس طرح بدن کے کسی پھوڑے کے زہر سے باقی بدن کو بچانے کے لئے اس کا اپریشن ضروری ہوتا ہے، اسی طرح معاشرے کے فتنہ پرداز عناصر کے زہر سے باقی معاشرہ کو بچانے لئے اور اس فسادی گروہ کا قلع قمع کرنے کے لئے جنگ کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کی چیر پھاڑ کی وجہ سے کوئی اسے ظالم یا درندہ صفت نہیں کہتا۔ کیونکہ اس کا مقصد بگاڑ کی بجائے اصلاح ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام صرف فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے جنگ کو جائز بلکہ ضروری قرار دیتا ہے اور یہ انسانیت کی بہبود کے لئے برپا کی جاتی ہے۔ پھر جس طرح ڈاکٹر فی نفسہ مریض کا ہمدرد اور خیر خواہ اور ان کے لئے رحم کے جذبات رکھتا ہے بعینہ اسلام فی نفسہ ایک صلح پسند دین ہے۔ جنگ سے وہ حتی الامکان گریز کرتا ہے مگر جہاں اس کے بغیر چارہ نہ رہا ہو، صرف اِسی وقت، اُسے ضروری سمجھتا ہے۔

(۲) طریق کار میں فرق

دنیا کی عام جنگوں میں جنگ جیتنے کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اندھا دھند کشت و خون، بے دریغ بمباری، دشمن کی املاک کی بربادی، موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عہد شکنی کرنا اور خفیہ معاہدات، یہ سب کچھ مقصد کے حصول کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ اگر افواج سے اخلاق یا کسی ضابطہ جنگ کی پابندی کا ذکر کیا جائے تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ بھلا جنگ کا ضابطہ اخلاق سے کیا تعلق؟ ضابطہ اخلاق سے کوئی بات طے نہ ہونے سے ہی تو جنگ برپا ہوتی ہے۔ پھر جنگ کے دوران اس ضابطہ اخلاق کے کیا معنی؟

لیکن اسلام مجاہدین کو جنگ لڑنے کا مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے اور اس پر کاربند رہنے کی سختی سے ہدایت کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے ایسی جنگ جس سے اس کے مقرر ضابطہ کی پابندی نہ کی گئی ہو، جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہلا سکتی۔ پھر اس ضابطہ کا بھی اصل الاصول یہ ہے کہ دشمن کا جانی

magazine.mohaddis.com

نقصان صرف اس حد تک جائز اور درست ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اور یہ نقصان بھی ان حدود و قیود کے تحت ہو جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

(۳) انجام کا فرق

فتح کے بعد بالعموم فاتح اقوام دشمن کے شہر کو نذر آتش کردیتی ہیں۔ قتلِ عام کا بازار گرم کرتی ہیں اور جوشِ انتقام میں ہر طرح سے وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ لیکن اسلام ایسی تمام حرکات کو گناہِ عظیم قرار دیتا ہے۔ اگر اصل مقصد فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا جو فتح کے ذریعہ حاصل ہوگیا، اب اس کے بعد ایسی حرکات کا کوئی جواز نہیں۔ جن کے بعد ایسا فتنہ و فساد اسلامی مقصدِ جنگ سے عین متصادم ہے۔ فتنہ و فساد کا خاتمہ ہی تو دین کا اصل مقصد ہے۔ اگر جنگ کے بعد بھی یہ فتنہ و فساد کھڑا کیا جائے تو جنگ کرنا ہی بے مقصد اور عبث فعل بن جاتا ہے۔

مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ عام دنیا کی جنگیں فتنہ و فساد اور ظلم کے وجود کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں اور اپنے نتیجہ میں فتنہ و فساد ہی لاتی ہیں جبکہ اسلام میں جنگ، ایسی جنگوں کو ختم کرنے کے لئے لڑی جاتی ہے۔ چنانچہ انتقامی کاروائیوں سے اس لئے روکا گیا ہے کہ وہ آئندہ کسی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

(۴) نتائج میں فرق

جنگ و جدال کے نتیجہ میں انسان اپنے دشمن، بدخواہ اور حاسد تو پیدا کرلیتا ہے، دوست اور جان نثار ساتھی پیدا نہیں کرسکتا۔ تلوار کا زخم نفرت اور عداوت ہی پیدا کرتا ہے، محبت اور ہمدردی عطا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا مفتوح قوم کو جس وقت بھی اپنے پاؤں پر سنبھلنے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ فاتح قوم سے انتقام لینے کی تیاری شروع کردیتی ہے اور اس طرح دنیا میں فتنہ و فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

لیکن اسلامی جنگوں کے نتائج اس سے برعکس نکلتے ہیں۔ یہاں دشمن کے بجائے دوست اور ہمدرد پیدا ہوتے ہیں۔ نفرت کے بجائے عقیدت اور محبت بڑھتی ہے۔ طائف کا محاصرہ اٹھانے کے بعد وہ لوگ انتقام کے مواقع کی تلاش نہیں کرتے بلکہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کی بظاہر توہین آمیز شرائط کے باوجود اور قدرت رکھنے کے باوجود مسلمانوں کی صلح جویانہ پالیسی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے عظیم جرنیلوں کے ذہنوں کے رُخ موڑ دیتی ہے اور وہ اسلام کے سچے خدمت گذار بن جاتے ہیں۔ سہیل بن عمرو جو قریش مکہ کے نمائندہ اور صلح حدیبیہ کے ایک فریق تھے، اسی واقعہ سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور خطیبِ اسلام کہلاتے ہیں۔

مکہ کی فتح کے بعد صرف اہل مکہ ہی اس "اخلاقی ضرب" سے اسلام کے ہم نوا نہیں بن جاتے بلکہ تمام قبائل عرب اسلام قبول کرکے اس کی قوت میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ بتلایئے کیا کسی دینوی جنگ نے بھی ایسے نتائج پیدا کئے ہیں؟

اسلام کو کشور کشائی سے جس قدر نفرت ہے، واضح رہے کہ دور نبوی کی تمام جنگوں میں سے صرف غزوۂ خیبر اور غزوۂ مکہ پر کشور کشائی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ باقی جنگیں یا تو دفاعی مقاصد کے لئے لڑی گئیں یا سرحدوں کی حفاظت کے لئے۔ اسی طرح اس اعتراض کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ مسلمانوں نے بھی عام دنیا کی طرح مالی منفعت حاصل کرنے کے لئے کشور کشائی کی تھی؟

مفتوحہ علاقوں سے مالی منفعت کے حصول کا مسئلہ یوں سمجھئے کہ ایک دنیا دار بھی دنیا کماتا ہے۔ جس میں وہ حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر ہر وہ حربہ استعمال کر گزرتا ہے جس سے وہ دنیا کا مال حاصل کر سکے۔ اس کے بالمقابل ایک دیندار تمام شرعی پابندیوں کا لحاظ کرکے بھی دنیا کماتا ہے۔ دنیا کا مال پہلے شخص کو بھی مل جاتا ہے جو اس کا مقدر ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی جو اس کا مقدر ہوتا ہے۔ اس مقام پر حصولِ مال میں دونوں برابر ہو جاتے ہیں حالانکہ دوسرے شخص کا کمایا ہوا مال دنیا داری نہیں بلکہ عین دین سمجھا جائے گا۔ بالکل یہی صورت حال عام دُنیوی مقاصد کے تحت لڑی جانے والی جنگوں اور جہاد فی سبیل اللہ کے بعد تحصیل مال کی ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے اسے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

۳۔ اسلام اور جنگ جوئی

اسلام پر تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام نے جہاد کو فرض قرار دے کر ایک مستقل جنگ کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ لہٰذا اسے ایک امن پسند مذہب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عرب قبائل ہمیشہ آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ اسلام نے آکر صرف یہ تبدیلی پیدا کی کہ ان جنگجو قبائلیوں کا رخ اندرونی خلفشار اور باہمی جنگوں سے ہٹا کر بیرونی دنیا کی طرف موڑ دیا لیکن ان کی جنگجوئی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔ جیسے وہ اسلام لانے سے پیشتر برسرپیکار رہتے تھے ویسے ہی اسلام لانے کے بعد بھی رہے۔ انہیں یہ کہہ دیا گیا ہے کہ:

﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ﴾

"ان (کفار و مشرکین) کو جہاں پاؤ، قتل کردو"..... (۲:۱۹۲)

علاوہ ازیں اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا داعی ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہ جائے اور دین صرف اللہ کے لئے

ہو جائے" ..... (۲:۱۹۳)

لہٰذا اسلام نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ایک دارالاسلام جہاں اسلامی حکومت قائم ہو۔اور دوسرے دارالحرب جہاں غیر مسلم حکومت ہو۔ آسان الفاظ میں یوں کہئے کہ ایک حصہ عالم اسلام ہے اور دوسرا عالمِ جنگ۔ دارالاسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دارالحرب یا غیر مسلموں سے برسرپیکار رہ کر انہیں دارالاسلام میں شامل کرتا چلا جائے تاآنکہ ساری دنیا کو اپنے دائرہ اقتدار میں لے لے۔

یہ ہے ان عقلی اور نقلی دلائل کا خلاصہ جن سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام کوئی امن پسند یا صلح جو مذہب نہیں بلکہ اپنے مزاج کے لحاظ سے ہر وقت برسرپیکار رہنا چاہتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ اس اعتراض کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے مندرجہ ذیل باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) مشرکین اور اہل کتاب کا فرق

جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ اہل کتاب پر تین شرطیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ اسلام لائیں۔ اگر یہ نامنظور ہو تو وہ

۲۔ اطاعت گزار بن کر دارالاسلام میں رہیں اور جزیہ یا اس کی متبادل کوئی صورت قبول کریں۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو وہ

۳۔ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

لیکن مشرکین کے لئے اطاعت گزار بن کر رہنے کی بھی کم از کم حجاز میں گنجائش نہیں۔ ان پر بھی تین ہی شرائط پیش کی جاتی ہیں جیسا کہ سورۂ توبہ کے آغاز میں مذکور ہے یعنی

۱۔ اسلام قبول کرلیں۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو

۲۔ دارالاسلام چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر

۳۔ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں ـــــ گویا ان کے لئے شرط نمبر ۲، اطاعت گزار بن کر رہنے کی بجائے حجاز کو چھوڑ کر چلے جانے کی ہے۔

مشرک کی عام تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کسی کتاب [۲] کا قائل نہ ہو۔ اور اللہ کے متعلق کوئی واضح عقیدہ نہ رکھتا ہو یا اس کی ذات وصفات میں دوسروں کو بھی شریک

---

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانی فتوحات کے دوران زرتشتیوں اور مجوسیوں کو اہل کتاب کے زمرہ میں شمار کیا کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب کا اعتقاد رکھتے تھے۔

بنا تا ہو۔ اس وضاحت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ اسلام کی نظر میں تمام غیر مسلم ایک سطح پر نہیں۔ وہ اہل کتاب سے نسبتاً نرم رویہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن مشرکین کے معاملہ میں سخت ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات مشرکین سے تعلق رکھتی ہیں اور اس سختی کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مشن ہے جو فتنہ کو ختم کرنا چاہتا ہے اور اس کی نظر میں چونکہ سب سے بڑا فتنہ شرک ہے۔ لہٰذا شرک کو ختم کرنا اس کا اولین مقصد ہے گویا شرک کی موجودگی ہی جنگ کیلئے آئینی جواز ہوتی ہے۔

(۲) اقامت پذیری

بلحاظِ توطن دارُالاسلام کی تین اقسام ہیں:

(۱) حرمین یعنی حرم مکہ اور حرم مدینہ: ان مقامات میں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ اہل کتاب یا مشرک یہاں اقامت اختیار نہیں کرسکتے۔

(۲) جزیرۂ عرب یا حجاز: اس میں اہل کتاب معاہد کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ ہاں اگر بغاوت یا بدعہدی کریں تو انہیں دارالاسلام کے کسی دوسرے مقام میں منتقل کیا جاسکتا ہے لیکن مشرکین کو اس خطہ میں برداشت نہیں کیا گیا۔

(۳) باقی دارُالاسلام میں اہل کتاب تو اطاعت گذار بن کر پوری آزادی سے رہ سکتے ہیں۔ لیکن مشرکین کو گوارا ہونے کی حد تک برداشت کیا گیا کہ وہ جزیہ دے کر اس علاقہ میں رہ سکتے ہیں(؟)

(اسلام کا قانونِ جنگ و صلح، ص ۱۵۸)

مشرکین پر سختی کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ہر وقت اسلام پر کسی آفت کے پڑنے اور اندریں صورت بدعہدی کے منتظر رہتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود سورۂ توبہ میں اعلان کرکے ان کو چار ماہ سوچنے کی اجازت دی اور ان سے طے شدہ معاہدات کو کالعدم قرار دے دیا۔ اگر یہ اقدام نہ کیا جاتا تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اُٹھنے والا ارتداد کا فتنہ شاید دس گناہ زیادہ طاقت سے اُبھرتا اور اسلام کی تاریخ بھی کوئی اور ہی رنگ اختیار کرتی۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم اصل اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جس کا پہلا حصہ ہے کہ اسلام میں جو جنگجو قبائل داخل ہوئے تھے، اسلام نے صرف ان کا رُخ بیرونی دنیا کی طرف پھیر دیا تھا۔ لہٰذا ان کی جنگجو فطرت میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ اعتراض دو وجوہ سے غلط ہے:

سابقین اولین کی امن پسندی

پہلی وجہ یہ ہے کہ بے شک عرب کے اکثر قبائل فطرتاً جنگجو واقع ہوئے تھے۔ لیکن ان کے سب افراد جنگجو نہیں تھے۔ بلکہ ان میں کثیر طبقہ ایسا بھی تھا جو اس قتل و غارت کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ وہ کمزور تھے، مظلوم تھے پھر ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو صلح پسند اور امن پسند تھا اور قتل و

غارت اور ظلم و جور سے نفرت کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے حلف الفضول کا واقعہ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ ایسے ہی لوگ ابتداءً اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ چونکہ قتل و غارت اور ظلم و فساد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو ختم کرنے کی صورت صرف یہی تھی کہ ایسے شرپسندوں کا جنگ کے ذریعہ قلع قمع کیا جائے لہٰذا جب کمزور مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملی تو بہت سے لوگوں کو یہ بات ناگوار تھی۔ ارشاد باری ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾

"تم پر جنگ فرض کی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے"..... (۲:۲۱۶)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ﴾

"مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین پر بچھے جاتے ہو"..... (۹:۳۸)

اور دورِ نبوی کی سب سے پہلی جنگ میں مسلمانوں کی "جنگ جوئی" کی کیفیت اس انداز میں بیان کی گئی ہے:

﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ، يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴾

"جب تمہارے پروردگار نے تمہیں تمہارے گھر سے نکالا اور اس وقت مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ وہ لوگ حق بات میں اس کے ظاہر ہونے کے بعد تم سے جھگڑنے لگے گویا موت کی طرف دھکیلے جانے لگے ہیں اور وہ سوگ کو سامنے دیکھ رہے ہیں"..... (۸:۶۵)

اور حضور اکرم ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾

"اے نبیؐ! مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو"..... (۸:۶۵)

ان تمام آیات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ کم از کم جنگِ بدر تک بہت سے مسلمان جنگ سے نفرت کرتے تھے اور اسے ناگوار سمجھتے تھے۔ یہی لوگ اسلام کا ابتدائی اور قیمتی سرمایہ تھے۔ اگر یہ لوگ فطرتاً جنگجو ہوتے تو ان احکامات و ارشادات کی کیا ضرورت تھی؟

اصل بات یہی ہے کہ اسلام کے یہ ابتدائی جان نثار صلح جو اور امن پسند تھے۔ ظلم و فساد کے

magazine.mohaddis.com

خاتمہ کے لئے جب ان پر جنگ کا "فریضہ" عائد کر دیا گیا تو انہوں نے اسے ناگوار سمجھنے کے باوجود اللہ کا حکم سمجھ کر سرانجام دیا۔ البتہ نوجوان اور جرات مند طبقہ مکی زندگی میں بھی لڑائی کی اجازت مانگتا رہا مگر انہیں صبر ہی کی تلقین کی جاتی رہی۔

جارحانہ اقدامات

اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جنگجو لوگ ہمیشہ وہی کہلائے جاسکتے ہیں جو جارحانہ اقدامات کریں۔ اس معیار پر غور کرنے کے لئے ہمیں دورِ نبوی کی جنگوں کے اسباب پر سرسری نظر ڈالنا ہوگی:

(۱) غزوۂ بدر، احد اور احزاب خالص مدافعانہ جنگیں تھیں کیونکہ دشمن کافروں کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اہل اسلام کا کلی طور پر استیصال کر دیا جائے۔

(۲) غزوۂ خیبر اور غزوۂ مکہ دشمن کی طرف سے عہد شکنی کی وجہ سے پیش آئیں۔ یہ لوگ اگر اپنے عہد پر قائم رہتے تو یہ جنگیں بپا ہی نہ ہوتیں۔

(۳) سریۂ موتہ اور غزوۂ تبوک، سفیر کے قتل اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے پیش آئیں۔ کیونکہ وہ کیا حکومت ہے جو اپنے سفیر کے قتل پر بھی خاموش رہتی ہے یا اپنی سرحدوں کی حفاظت نہیں کرتی۔

(۴) غزوۂ حنین (اوطاس اور طائف) میں دشمن نے خود للکارا تھا اور مسلمانوں کو جس بے سروسامانی کی حالت میں یہ جنگ لڑنا پڑی، اس کی کیفیت بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

فتح مکہ کے فوراً بعد ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل نے مقابلہ کی ٹھانی اور ایک بڑے لشکر کو حنین کے مقام پر لا ڈالا۔ عورتیں اور بچے بھی ہمراہ لے آئے کہ کسی کو بھاگنے کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو مجبوراً جن حالات میں یہ جنگ لڑنا پڑی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ربیعہ سے، جو ابوجہل کے بھائی تھے، تین ہزار درہم قرض لئے (مسند احمد، ج ۴ ص ۳۶) اور صفوان بن امیہ جو کہ ان کا رئیس اعظم تھا اور ابھی تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے اسلحہ جنگ مستعار لیا، اس نے سو زرہیں اور اس کے لوازمات پیش کئے (مؤطا، ابوداؤد باب الضمانۃ) اس طرح آپ نے کافروں سے ہی اسلحہ اور زر نقد اُدھار لے کر یہ جنگیں لڑیں۔

(۵) یہود سے جو غزوات ہوئے۔ مثلاً غزوۂ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سب یہودیوں کی عہد شکنی اور کھلی بغاوت کے نتیجہ میں پیش آئے تھے۔

غور فرمالیجئے کہ ان میں کون سی جنگ کو جارحانہ جنگ کا نام دیا جاسکتا ہے۔

دارالاسلام اور دارُالحرب

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا علمی اور اصلاحی مجلہ

دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحیں فی الواقعہ فقہائے اسلام نے وضع کی ہیں۔ لیکن انہیں عالم اسلام اور عالم جنگ کے معنوں میں پیش کرنے میں کئی مغالطے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام غیر مسلموں کے سارے علاقے کو "عالم جنگ" قرار نہیں دیتا۔ ہماری رائے میں صحیح بات یہ ہے کہ غیر جانبدار ممالک سے جنگ کی اجازت نہیں۔ یعنی ایک ایسی غیر مسلم حکومت جو امن و امان سے رہتی اور رہنا پسند کرتی ہے، وہ نہ مسلمانوں سے خود چھیڑ چھاڑ کرتی ہے نہ مسلمانوں کے خلاف دشمن کی حمایت کرتی ہے، اس سے لڑائی کا کوئی جواز نہیں۔ خواہ وہ حکومت اہل کتاب کی ہو یا مشرکین کی۔ ارشاد باری ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

"اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی اور احسان کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے سلسلہ میں نہیں لڑتے۔ اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"

اس آیت میں غیر جانبدار ممالک سے لڑائی سے منع ہی نہیں کیا گیا بلکہ بہتر سلوک کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔

گویا "دارالحرب" دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک غیر جانبدار علاقہ جو فی الحقیقت دارالحرب نہیں ہے۔ دوسرے حربی علاقہ جہاں جنگ کا امکان ہے۔ (؟)

(۲) حربی علاقہ میں ایسے ممالک بھی ہوسکتے ہیں جن سے صلح یا تجارت وغیرہ کے معاہدات طے پائے ہوں۔ اور ان کی مدتِ صلح عموماً دس سال ہوتی ہے۔ جب تک ایسے ممالک بغاوت یا بد عہدی نہ کریں ان سے جنگ کا کوئی امکان نہیں، نہ ہی اس کی اجازت ہے۔

(۳) اس کے بعد جو ممالک بچ جائیں وہ فی الواقع "دارالحرب" ہیں۔ لیکن ان پر بھی "حالاتِ جنگ" کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ حالاتِ جنگ اور چیز ہے اور خطرۂ جنگ اور چیز۔ اس کی مثال یوں سمجھئے۔ جیسے روس اشتراکیت کا علمبردار ہے اور امریکہ جمہوریت اور سرمایہ داری کا۔ نیز دونوں قسم کے نظریات چونکہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا ان دونوں ملکوں میں جنگ کا خطرہ ہر وقت موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ عین ممکن ہے کہ ان دونوں ممالک میں ایک طویل مدت تک حالات جنگ پیدا نہ ہوں۔

یہی صورت حال پاکستان اور بھارت کی ہے۔ پاکستان دو قومی نظریہ کا علمبردار ہے اور بھارت ایک قومی نظریہ کا حامی ہے۔ نظریات کے اس تضاد نے ہر وقت کا خطرہ تو پیدا کردیا ہے لیکن حالاتِ جنگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔

حالاتِ جنگ صرف اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کوئی ملک اپنے حقوق سے تجاوز کر جاتا ہے جو حریف ملک کے لئے ناگوار ہوتے ہیں۔ مثلاً روس اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ گرم پانی تک اس کی رسائی ہو۔ لہٰذا افغانستان، پاکستان اور ایران وغیرہ پر اس کا تسلط قائم ہونا چاہئے۔ لیکن حریف ممالک روس کے اس "حق" کو ناجائز سمجھتے ہیں روس نے افغانستان میں اپنا یہ حق استعمال کرنا شروع کردیا تو جنگ چھڑ گئی۔ اور پاکستان اور ایران کے لئے حالاتِ جنگ پیدا ہو گئے۔(؟)

مغربی اقوام کے نزدیک طاقت ہی سب سے بڑا حق ہے۔ ان کے نزدیک جنگ کے آغاز کے لئے مقدس حقوق جائز سمجھے گئے ہیں۔ انہی حقوق میں سے کسی ایک حق کا استعمال کرکے وہ حالاتِ جنگ پیدا کردیتے ہیں لیکن اسلام اس طرح کے حقوق کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اس وقت تک حالاتِ جنگ پیدا نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان صورتوں میں سے کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ جن کی تفصیل کتبِ وحی میں گذری ہے۔ اسلام میں لڑائی کے جواز کا عام قانون ظلم اور فتنہ کا استیصال ہے۔ کوئی ملک اسلامی ریاست پر چڑھ کر آجائے یا سرحدوں پر یورش کرے یا سفارتی آداب کی خلاف ورزی کرے۔ یا مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے روکے تو یہ سب ظلم اور فتنہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ملک اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے یا صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ان پر مظالم ڈھاتا ہے تو اس طرح حالاتِ جنگ پیدا ہو جاتے ہیں۔

ان تصریحات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اسلام صرف مدافعانہ جنگ ہی کا قائل نہیں بلکہ وہ ظلم وجور کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا ہے خواہ یہ ملک کے اندر ہو یا باہر۔ اب اسے کوئی مصلحانہ جنگ کہہ لے یا جارحانہ جنگ۔ اسلام نے بہرحال جنگ کرنے اور اس سے رک جانے کے اصول متعین کردیئے ہیں اور مسلمانوں کو انہیں اصولوں پر کاربند رہنا لازم کردیا ہے۔

magazine.mohaddis.com

محمد عطاء اللہ صدیقی

عربی اور اردو زبانوں کے خلاف پنجاب اسمبلی میں آواز

رکن صوبائی اسمبلی جناب عبدالرشید بھٹی نے گذشتہ دنوں پنجاب اسمبلی میں پنجاب کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے قومی زبان اور قرآن کی زبان، عربی کی جس طرح مذمت فرمائی، اس سے عام پاکستانیوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

پنجابی اور دیگر علاقائی زبانوں مثلاً سرائیکی، بلوچی، پشتو، وغیرہ کی ترویج و اشاعت کے حق میں آواز اٹھانا کوئی غیر مستحسن بات نہیں ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ ایک چیز کی حمایت کو دوسرے کی مذمت سے مشروط کردیا جائے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ مسعود کھدر پوش اور ان کی فکر سے متاثر حضرات ہمیشہ اردو اور عربی زبانوں پر کیوں برستے رہتے ہیں جو مملکت پاکستان میں ابھی تک اپنا جائز مقام حاصل نہیں کرسکی۔ ان کے بیانات کا اگر معروضی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا اصل مقصود پنجابی زبان کی پُرزور وکالت نہیں ہے، بلکہ اردو اور عربی زبان کی بھرپور مذمت ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے محض زبانی جمع خرچ کی بجائے فی الواقع خطہ پنجاب کی ماں بولی کی خدمت کی، ان کی جانب سے کبھی اردو یا عربی زبان کے خلاف حرفِ مذمت ادا نہیں ہوا۔ بابا فرید گنج شکر، وارث شاہ، میاں محمد بخش، سلطان باہو، بابا بلھے شاہ، اور شاہ حسین کی شاعری کے بغیر پنجابی زبان و ادب اس طرح ہے جیسے کسی جسم سے روح نکال دی جائے۔ وہ آج بھی پنجابی شاعری کے بنیادی ستون سمجھے جاتے ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک برگزیدہ ہستی نے کبھی شکایت کی کہ عربی زبان کو ان پر مسلط کر دیا گیا ہے؟ یہ شرف محض آج کے کوتاہ فکر زبانی جمع خرچیوں کو حاصل ہے کہ عملاً وہ پنجابی زبان کی قابل قدر خدمت کرنے کی توفیق سے تو محروم ہیں البتہ بیان بازی کا مستقل شغل ضرور اختیار کئے ہوئے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ان حضرات کی طرف سے انگریزی زبان کے خلاف ان شدید جذبات کا اظہار دیکھنے میں نہیں آتا جس کا تختہ مشق وہ عربی اور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اردو زبانوں کو بناتے ہیں۔

پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے جناب عبدالرشید بھٹی نے فرمایا کہ

"آج تک جتنی بھی آسمانی کتابیں اتریں، وہ سب اُن قوموں کی اپنی زبانوں میں نازل ہوئیں لیکن ہم پر اردو کے علاوہ عربی بھی مسلط کردی گئی ہے جس کے نتیجے میں ہم مذہب سے دور ہوگئے ہیں اگر ہم پانچ وقت اذان عربی کی بجائے اپنی زبان میں سنیں اور نماز بھی اپنی زبان میں ادا کریں تو ہمارے قول و فعل میں تضاد نہ ہو"

(نوائے وقت ۲۴ جون ۱۹۹۵ء)

جناب عبدالرشید بھٹی نے اہل پنجاب کی مذہب سے دوری اور ان میں پائے جانے والے قول و فعل کے تضاد کی جو تشخیص فرمائی ہے، اس سے ان کے علم و دانش اور تنقیدی شعور کی سطح کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ پنجاب اسمبلی میں ایسے عجوبہ روزگار قسم کے "دانشوروں" کا وجود نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ بقول غالب ؎

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں زبان و ادب کے کردار پر معمولی سی نگاہ رکھنے والا شخص بڑی آسانی سے ان کے طرز استدلال کے بودے پن کو محسوس کرسکتا ہے۔ ان کے بیان کو پڑھنے کے بعد چند سوالات ذہن میں آتے ہیں جن کا جواب دینا ان کی ذمہ داری ہے۔

کیا فاضل رکن اسمبلی یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ عبرانی اور عربی زبانوں کے علاوہ کن زبانوں میں آسمانی کتب نازل ہوئیں؟ پاکستان کے بڑے شہروں کی آبادی کثیر اللسان ہے۔ مساجد میں وہ عام طور پر زبان کی تفریق سے بالا ہو کر حاضری دیتے ہیں، اگر مقامی زبانوں میں اذان و نماز کی بدعت ڈال دی جائے تو ایک نیا لسانی فتنہ کھڑا نہیں ہوجائے گا؟ کیا وہ خدائے پاک سے یہ پوچھنے کی جسارت کرسکتے ہیں کہ پنجابی اور دیگر علاقائی زبانوں میں کوئی وحی نازل کیوں نہیں ہوئی۔ کیا عربی زبان کی افادیت سے انکار ممکن ہے؟ اس طرح کے متعدد سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں۔

ان کے بیان کا یہ حصہ کہ "ہم پر عربی زبان مسلط کردی گئی ہے" بھی ناقابل فہم ہے۔ آخر کس نے ان کو پابہ زنجیر کرکے ان کے حلق سے عربی زبان اُتاری؟ حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کی حکومتوں نے عربی زبان کی وہ سرپرستی نہیں فرمائی جس کی شدید ضرورت تھی۔ برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ کرنے کے بعد انگریزوں نے پہلا قدم عربی و

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فارسی زبانوں کو دیس نکالا دینے کی صورت میں کیا، اور وہی صورت اب تک چلی آتی ہے۔ اب صرف عربی مدارس کے گِنے چُنے طلباء ہی ہیں جو عربی زبان کو کسی نہ کسی طرح سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فاضل رکن اسمبلی دوران تقریر ہوا میں تیر چلا رہے تھے اور بے بنیاد مفروضات کی بنیاد پر رنگِ خطابت دکھا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے زبان و نسل کی بنیاد پر قومیت پرستی کا جو فتنہ آج سے دو سو سال پہلے کھڑا کیا تھا، اس سے بعض مسلمانوں کے ذہن بھی متاثر ہوئے ہیں، وہ یورپ کی فکری محکومی کے زیر اثر حقائق کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے کے عادی نہیں ہیں۔ اہل پنجاب کی مذہب سے دوری کو عربی زبان میں نماز ادا کرنے سے منسلک کرنا نہ صرف کج فہمی کی دلیل ہے بلکہ تناقضِ فکر کا شاہکار بھی ہے۔

اسلام اور عربی باہم لازم و ملزوم ہیں، ایک کی تقویت منطقی طور پر دوسرے کی تقویت پر منتج ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے امتِ مسلمہ کو جسدِ واحد سے تشبیہ دی۔ ملتِ اسلامیہ میں اتحاد و یک جہتی کو فروغ دینے کے لئے عربی زبان سے زیادہ مؤثر کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی۔ آخر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا ہے کہ عربی زبان میں اذان و نماز ادا کرنے سے اہل پنجاب میں مذہبی دوری پیدا ہو گئی ہے۔ مذہبی وابستگی اور رُشد و ہدایت کا تعلق کسی مخصوص زبان میں اظہار سے زیادہ سلیم الفطرت ہونے اور توفیقِ خداوندی کے عطا ہونے میں ہے۔ اگر فاضل رکن اسمبلی کے مفروضات کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ عربی زبان بولنے والے بعض گروہِ ملاحدہ کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے؟ دور جدید کی شام، مصر، جنوبی یمن اور عراق کی اشتراکی اور سیکولر حکومتیں ان کے اس دعوے کی تردید کے لئے کیا کافی نہیں ہیں۔ مذہب سے دوری کا بنیادی تعلق قرآن مجید اور دیگر الہامی کتب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے تناسب پر ہے۔ کیا انگریز بائیبل کا انگریزی میں ترجمہ کرنے اور دیگر مذہبی رسومات کو انگریزی میں ادا کرنے سے مذہب کے قریب آگئے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصل کتب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

اہل پاکستان میں بالعموم اور اہل پنجاب میں بالخصوص مذہبی دوری کی وجوہات کا تعین کرنا زیادہ مشکل امر نہیں ہے۔ اگر ہم اس مسئلے کا حقیقت پسندانہ اور معروضی جائزہ لیں، تو یہ بات اظہر من الشمس ہوگی کہ اس مذہبی دوری کے پس پشت محرکات میں، ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، مذہب بیزار علوم کی سرپرستی و اشاعت، مادہ پرستی و جنسی ہوس ناکی کی بنیاد پر فروغ پانے والی تہذیبِ مغرب کی مجنونانہ تقلید، قرآن و سنت کی تعلیمات میں عدم دلچسپی اور اسے محض مُلّا کا شغل

magazine.mohaddis.com

قرار دینے کی مجرمانہ روش، ثقافت کے نام پر کثافت، عریانی، فحاشی اور اخلاق باختگی کی حوصلہ افزائی، اسلامی نظام کے مقابلے میں مغرب سے اُدھار لئے ہوئے نظام کا عملی نفاذ، اسلام سے فقط جذباتی تعلق اور اس طرح کے متعدد عناصر کے عمل دخل کو آخر کس طرح نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ فاضل رکن اسمبلی نے ان وجوہات سے آخر اغماض کیوں برتا؟

یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی زبان فصاحت و بلاغت اور حسنِ اظہار کے اعتبار سے عربی زبان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ قواعد زبان، تلفظ، الفاظ کی بندش، صنائع و بدائع، مخرج و مشتق، ایجاز و اختصار، آہنگ و صوت اور اعراب و اوقاف کی جو باریکی و گہرائی عربی زبان میں ملتی ہے، دنیا کی کوئی زبان عربی زبان کے اس فخر میں شریک ہونے کی دعویدار نہیں ہوسکتی۔ عربی زبان کی وُسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ہر مصدر سے دو سو کے قریب نئی تراکیب اور الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔ انگریزی زبان میں بیش بہا جدید علوم کے ذخیرے کے باوجود اس کی تنگ دامنی ملاحظہ ہو کہ ماموں، چچا، پھوپھا اور خالو کے لئے ایک ہی لفظ "انکل" بولا جاتا ہے۔ اسی طرح "کزن" اور "آنٹی" کے الفاظ کئی رشتوں پر محیط ہیں۔ تذکیر و تانیث میں بھی بعض اوقات الگ الگ الفاظ کی بجائے "He" اور "She" کے اضافہ سے مطلب نکالا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عربی زبان کی فصاحت ملاحظہ ہو کہ اس میں مہینے کی ہر رات کے لئے الگ الگ الفاظ موجود ہیں، چاند کی پہلی تاریخ سے لے کر ۱۴ تک کے مختلف نام ہیں۔ مختلف مہینوں کی حاملہ اونٹنیوں کے لئے بالکل جُدا الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ صرف شیر کے لئے ۴ سو الفاظ ملتے ہیں۔ اور گھوڑے کے لئے کم از کم تین سو الفاظ، فصاحت و بلاغت اور وسعت پذیری کا یہ معاملہ محض عام بول چال اور معاشرتی لین دین تک محدود نہیں ہے۔ مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک سیاسی، تہذیبی اور عملی علوم میں عروج دیکھا، یورپ نے ان سے سائنسی علوم سیکھے۔ زبان و ادب کے علاوہ فلسفہ، طب، منطق، کیمیا، تاریخ، فقہ، عمرانیات، علم نجوم، اور جغرافیہ میں مسلمانوں کے شاہکار علمی کارنامے اب بھی ورطۂ حیرت میں ڈالتے ہیں۔

مشہور مؤرخ پی کے ہٹی اپنی مایہ ناز تصنیف "تاریخِ عرب" میں مسلمانوں کے شاندار علمی کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ لکھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے:

> "دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ طبری مسلمان تھا، دنیا کا سب سے بڑا جغرافیہ دان المسعودی بھی مسلمان تھا۔ دنیا کا عظیم ترین سائنس دان ابن سینا بھی مسلم تھا اور دنیا نے ابن خلدون کی وفات کے سات سو سال بعد تک بھی اس سے بڑا ماہر عمرانیات نہیں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دیکھا۔ ان کے علاوہ زکریا رازی، الخوارزمی، یعقوبی، فارابی، ابن رشد، غزالی، ابن الہیثم، ابن البیطار، ابوالقاسم الزہراوی، ابن باجہ اور ان جیسے سینکڑوں حکمائے اسلام کی تصانیف عربی زبان میں تھیں۔ علوم و فنون میں ترقی کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا دامن بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔ کئی صدیوں تک عربی زبان میں علوم و فنون کا سب زبانوں سے زیادہ ذخیرہ موجود رہا"۔

عربی زبان صرف عربوں کے لئے ذریعہ فکر و مباہات نہیں رہی بلکہ جو بھی اس کے قریب آیا اس کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر اور اس کی نگاہِ ناز کا قتیل ہو کر رہا۔ عربی اپنے علاوہ باقی سب کو "عجم" یعنی گونگا کہتے ہیں لیکن عجمیوں نے بھی عربی زبان پر بعض اوقات اس قدر عبور حاصل کرلیا کہ ان کی لیاقت پر عرب بھی شرمائے۔ محدثین میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، اور نسائیؒ سب غیر عرب تھے۔ فلسفہ میں فارابی، ابن سینا، ابن طفیل اور ابن باجہ کی مادری زبان عربی نہیں تھی۔ ایران، ترکستان، شمالی افریقہ اور سپین کے مسلمانوں نے عربی زبان کو اپنے علمی کمالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ جہاں جہاں اسلام کی روشنی پھیلی وہاں وہاں "اللہ اکبر" کی صدائے مسحور کُن کانوں میں گونجتی گئی اور قلوب "لا الہ الا اللہ" کی مستی میں ڈوبتے چلے گئے۔ ایران والوں کو اپنی فارسی پر ناز تھا لیکن عربی زبان کے مقابلے میں ان کی مادری زبان کا سکہ نہ چل سکا۔ تاریخ میں کہیں بھی مسلمانوں کی جانب سے مقامی زبانوں میں اذان اور نماز پڑھنے کا مطالبہ ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ حافظ شیرازی کے کئی اشعار بلکہ بعض پوری غزلیں عربی زبان میں ہیں۔

اہل یورپ نے بھی عربی زبان کی تحصیل میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ میں جن یورپی مفکرین کا حصہ سب سے نمایاں ہے، انہوں نے عربی سے مختلف فنون میں کتابیں ترجمہ کیں۔ فرانس بیکن اور ان کے ہم عصر یورپی حکماء عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے۔ گذشتہ چند صدیوں میں سے مشہور فرانسیسی مفکر روسو اپنے قیامِ مصر کے دوران اچھی خاصی عربی سیکھ چکا تھا۔ ڈارون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے نظریہ ارتقاء پر ابن مسکویہ کی تصانیف کو براہِ راست عربی میں پڑھا تھا۔ مشہور جرمن شاعر گوئٹے عربی زبان کا بہت دل دادہ تھا۔ یورپین مستشرقین اور مؤرخین میں سے ڈوزی، واشنگٹن ارونگ، لین پول، پی کے ہٹی نے اسلامی تاریخ پر قلم اٹھانے سے پہلے عربی کے بنیادی ماخذوں کا مطالعہ کیا۔

مشرقِ وسطیٰ کی جدید سیاسی تاریخ میں "لارنس آف عربیہ" کا کردار بے حد ڈرامائی ہے۔ وہ نہ صرف عربی زبان پر عبور رکھتا تھا بلکہ عربوں میں گھل مِل کر رہتا، ان کی تہذیب و ثقافت اپنائے

magazine.mohaddis.com

ہوئے تھا۔ عربی زبان کی سب سے بڑی گرامر کسی عرب نے نہیں لکھی بلکہ یہ کارنامہ مشہور مستشرق ابن منظور نے "لسانُ العرب" لکھ کر سرانجام دیا ہے۔ احادیث کے مجموعہ صحاح ستہ سے حدیث ڈھونڈنے کے لئے ایک انگریز سکالر نے "المفہرس لالفاظ الحدیث" کے نام سے کام کیا ہے۔ یورپ کی کوئی بھی قابل ذکر یونیورسٹی ایسی نہیں ہے جہاں عربی زبان و ادب کے لئے الگ شعبہ موجود نہ ہو۔ افسوس تو یہ ہے کہ اہل یورپ عربی میں شاندار علمی کارنامے سرانجام دیں اور ہمارے مسلمان اس کی ناقدری کرتے ہوئے اذان کو بھی مقامی زبانوں میں دینے کی بات کریں۔

اب ذرا برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی ماضی قریب کی تاریخ پر غور فرمایئے۔ جن صاحبانِ علم و دانش نے تاریخ، مذہب اور دیگر علوم میں قابل ذکر تصانیف چھوڑی ہیں ان کی غالب اکثریت عربی زبان کا صاف ستھرا مذاق رکھتی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کا علمی گھرانہ، سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، خواجہ حسن نظامیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، سید سلیمان ندویؒ، ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، علامہ نیاز فتح پوری، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ اور فیض احمد فیض جیسے اکابرینِ ملت و معروف علمی و ادبی شخصیات عربی زبان و ادب پر قابلِ رشک حد تک عبور رکھتی تھیں۔ اب اتنے دیو قامت حضرات پیدا ہونا بند ہو گئے ہیں۔ اس قحطُ الرجالی کی بڑی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے فارسی و عربی زبانوں کی تحصیل میں دلچسپی لینا کم کردی ہے۔ اپنے ماضی سے رشتہ کٹ جانے کی وجہ سے سخت علمی انحطاط طاری ہوگیا ہے۔

عربی زبان میں نماز ادا کرنے اور اذان دینے کی اہمیت صرف مذہبی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے مسلمانوں کے عظیم تہذیبی تشخص و ثقافتی شناخت کے تحفظ و تسلسل کے یہ دونوں ادارے اہم ترین ذریعہ رہے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے کسی بھاری بھرکم علمی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسے علاقے جہاں مرورِ زمانہ کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی حاکمیت کا خاتمہ ہوگیا، وہاں سے مسلمانوں کے علیحدہ وجود کا بھی خاتمہ ہوچکا ہوتا، اگر ان علاقوں میں صدائے "لاالٰہ الا اللہ" کے ساتھ "اللہ اکبر" کی ندائے توحید محکوم مسلمانوں کے کانوں میں مسلسل نہ گونجتی رہتی۔

روس کے جابرانہ تسلط سے حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلمان ریاستوں اور اشتراکی چین کے زیر تسلط مسلم اکثریتی صوبہ سنکیانگ کی عبرت آموز مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ چند ماہ پہلے مجلس التحقیق الاسلامی کی عمارت میں سنٹرل ایشیاء کی مرکزی ریاستوں سے پاکستان آئے ہوئے ایک بیس

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رُکنی وفد سے راقم کو ملنے کا اتفاق ہوا۔ وفد کے ارکان اپنی ریاستوں کے اعلیٰ عدالتوں کے جج اور پولیس کے سینئر افسران تھے، جو پاکستان میں "جرم و انصاف" کے موضوع پر چھ ہفتوں کی تربیت کے ضمن میں آئے تھے۔ اس مجلس میں محترم جسٹس (ریٹائرڈ) رفیق تارڑ صاحب اور جسٹس خلیل الرحمٰن صاحب بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو یہ جان کر بے حد افسوس بلکہ صدمہ ہوا کہ وفد کے معزز ارکان اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی بے بہرہ تھے۔ کلمہ طیبہ کے علاوہ عملاً انہیں کچھ بھی تو معلوم نہ تھا۔ تاجکستان سے تشریف لائے ہوئے ایک اعلیٰ پولیس افسر سے جب راقم نے "مکہ المکرمہ" کے بارے میں استفسار کیا تو وہ ندامت کی تصویر بن گئے اور مجھ سے ہی اس کی وضاحت چاہی۔ لیکن وفد کی اکثریت اذان کے الفاظ سے واقف تھی اور مطالب بھی یاد تھے۔ وہ اس لئے کہ وہاں اشتراکی جابرانہ دور کے دوران بھی پیدائش کے بعد بچوں کے کانوں میں اذان دینے کی رسم جاری رہی۔ حال دیگر' اہل علم حضرات حال ہی میں چین کے مسلم علاقوں کا دورہ کرکے تشریف لائے ہیں، وہاں کی جو تصویر وہ پیش کرتے ہیں، وہ بے حد المناک ہے۔ مسلمانوں کو آہستہ آہستہ "مسلم نام" نہ رکھنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ البتہ وہاں بھی "اذانِ بلالی" کی صدائے ایماں اب بھی مسلمانوں کا ان کے شاندار ماضی سے رشتہ جوڑے ہوئے ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنے "شہاب نامہ" میں صوبہ بہار کے ایک دور دراز شہر میں بطور سب ڈویژنل آفیسر کے اپنی تعیناتی کے واقعات و مشاہدات لکھتے ہوئے اس علاقے کے مُلّا اور علماء کے کردار کو سراہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہاں اگر مسلمانوں کا الگ تشخص تھوڑا سا قائم ہے تو محض مُلّا کی بے غرض کوششوں کی وجہ سے، جنہوں نے ہر حالات میں مسلمانوں کو اُن کے تہذیبی سرمائے سے دور نہیں ہونے دیا۔ وہاں کی بظاہر ویران مساجد میں بھی "اذان" کی سحر انگیز آواز سن کر وہاں بسنے والے قلیل مسلمانوں کے وجود کا احساس ہوتا ہے ورنہ رہن سہن اور دیگر سماجی معاملات میں ان کو ہندوؤں سے الگ کرنا بے حد مشکل ہے۔

برصغیر پاک و ہند اور دیگر مسلم اکثریتی علاقوں میں سفر کرنے والے یورپین سیاحوں نے مساجد میں علی الصبح نماز فجر کے لئے دی جانے والی اذانوں کی سحر انگیز گونج کی دل پذیری اور حلاوت کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے اور اسے مسلم ثقافت کے نشان امتیاز سے تعبیر کیا ہے۔ جس شخص کو خدائے عزوجل نے سحر خیزی کی توفیق بخشی ہو، وہی صبح کی اذان کی اثر انگیزی اور اس سے پیدا ہونے والی قلب و نظر کی وجد آفرین کیفیات کو محسوس کرسکتا ہے۔

"دی آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف ماڈرن اسلامک ورلڈ" کی یہ سطور ملاحظہ ہوں:

magazine.mohaddis.com

"The most Characieristic sounds of devotional Expression in Muslim communities may be the call to prayer (adhan) and the recitation of Qur,an (Qirah–al–Quran) Neither of these is considered by Muslims to be Music rather. They are texts that are delivered and sometimes amplified or enhanced, using selected musical devices, which are always subordinate to the text. In Middle Eastern communities, These sounds are familiar to almost everyone. The call to prayer is heared five times daily, often broad cast over loud speakers from mosques. Quranic recitation permeates life..... similiar sounds signify Muslim Community life world wide. (Page 364,Vol:1)

"مسلم معاشرے میں مذہبی صوتی اظہار کی نمایاں ترین صورت نماز کے لئے آواز (اذان) اور تلاوتِ قرآن مجید کہی جاسکتی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ دونوں صورتیں موسیقی میں شامل نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک نصاب کی حیثیت رکھتی ہیں، جن کو ادا کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان کے تاثر اور اثر انگیزی کو بڑھانے کے لئے موسیقی کی کچھ منتخب تراکیب بھی استعمال کی جاتی ہیں، البتہ وہ اصل نصاب کے تابع ہی رہتی ہیں۔

مشرقِ وسطی میں یہ آوازیں تقریباً ہر ایک کے لئے جانی پہچانی ہیں۔ روزانہ پانچوں وقت اذان سُنی جاتی ہے، اکثر اوقات اسے مساجد کے میناروں میں نصب لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نشر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت حیات افروز ہے..... اس طرح کی آوازیں پورے عالم کے مسلم معاشروں کی تشخص کی علامت ہیں" (صفحہ ۳۶۴)

نماز اور اذان تو ایک طرف عرصہ دراز تک ملتِ اسلامیہ نے قرآن مجید کا کسی اور زبان میں ترجمہ جائز قرار نہیں دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس وقت کے علماء کی اکثریت نے ان کی اس کاوش کی زبردست مخالفت کی اور اسے تحریفِ قرآن کے مترادف قرار دیا۔ مسلمانوں کو قرآن مجید کے اصل متن سے جس قدر عقیدت اور مناسبت رہی ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر ہرگز تعجب انگیز نہیں ہے کہ آج بھی قرآن مجید کے اردو اور دیگر زبانوں میں تراجم عربی متن کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل کسی شخص نے لاہور سے عربی متن کے بغیر قرآن مجید کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا، اس کی اس قدر شدید مخالفت کی گئی کہ وہ دوبارہ شائع نہ ہوسکا۔

قرآن پاک کو نہ صرف تحریر میں بلکہ زبانی ادائیگی (ترتیل و تلاوت) میں بھی محفوظ کرلیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے سات معروف لہجے (سبع قرات) آج بھی ویسے ہی مقبول و محفوظ ہیں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جیسے کہ چودہ سال پہلے۔ دنیا کی کسی دوسری کتاب، الہامی یا غیر الہامی، کو یہ مقام و منزلت حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید کا یہ بھی اعجاز ہے کہ اسے ساٹھ سال کا بوڑھا بھی یاد کرسکتا ہے اور آٹھ سال کا بچہ بھی۔ جناب طارق صدیقی، وفاقی سیکرٹری (ریٹائرڈ) جناب محمد شفیع غوری، ایڈیشنل کمشنر (ریٹائرڈ) ان خوش بخت افراد میں شامل ہیں جنہوں نے قرآن مجید سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد حفظ کیا۔ اسی طرح کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

کوئی کتنا ہی گیدی خر، گاؤدی اور کم عقل کیوں نہ ہو، آخر کتنی دیر میں نماز یاد کرلے گا؟ اذان اور نماز وغیرہ کے مطالب سیکھنے کے لئے کتنے دن چاہئیں؟ ایک اوسط عقل کے فرد کے لئے ایک ہفتے میں ان کو سمجھنا اور یاد کرنا مشکل نہیں ہے۔ اگر ایک شخص اپنی زندگی میں ایک ہفتہ بھی اس مقصد کے لئے نہیں نکال سکتا تو وہ مسلمان کہلانے کا دعویٰ کس منہ سے کرسکتا ہے؟۔ جناب والا! آپ اعتراف کیوں نہیں کرلیتے کہ قرآن و سنت کی محبت آپ کے دلوں سے اُٹھ گئی ہے۔ بات سیدھے سبھاؤ کرنے کی بجائے اپنے نفس باطل کو "مذہبی دوری" کے فریب خوردہ لبادے میں اوڑھ کر کیوں دکھاتے ہیں؟

قیام پاکستان کے فوراً بعد سر آغا خان سوم نے عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر ان کی یہ بات مان لی جاتی تو آج نہ تو انگریزی کا استعماری تسلط برقرار رہتا اور نہ ہی جناب عبدالرشید بھٹی جیسے "دانشوروں" کو فلسفیانہ موشگافیوں کرنے کا موقع ملتا۔

جناب عبدالرشید بھٹی نے اپنے محولہ بالا خطاب میں عربی زبان کے ساتھ ساتھ اردو زبان کو بھی خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ یہ حقیقت فراموش کرگئے کہ اردو زبان محض ایک زبان نہیں ہے بلکہ یہ ایک تہذیب ہے جس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کے شاندار پہلوؤں کو اپنے اندر جذب کیا ہوا ہے۔ یہ کسی خاص خطہ کی زبان نہیں ہے۔ یہ ایک گلدستہ ہے کہ جس کی جمال آفرینی میں فارسی اور عربی زبان کے پھولوں کے علاوہ ہندی اور پنجابی زبان کی خوش رنگ پنکھڑیوں کا بھی حصہ ہے۔ اس کی رگوں میں پنجابی زبان کا گرم خون اس طرح دوڑ رہا ہے جس طرح اس کے دل و دماغ میں عربی کی حکمت اور فارسی کی حلاوت رچی بسی ہوئی ہے۔ ایک عظیم الشان زبان جس کے سینے میں مسلمانوں کا عظیم علمی و ثقافتی ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس کی سرپرستی کی بجائے اس کے خلاف محاذ آرائی برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے تاریخ سے سنگین روگردانی ہے۔

پاکستان میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کی جس قدر ضرورت آج ہے، پہلے کبھی نہ تھی۔

magazine.mohaddis.com

بھارت نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندی کو اردو زبان کی جگہ دے دی ہے۔ وہاں کی اردو زبان میں مستعمل عربی اور فارسی کی اصطلاحات و تراکیب کی جگہ ہندی اور بھاشا کے متبادلات و مترادفات نے لے لی ہے۔ سکولوں کا سارا نصاب نئی ہندی زبان کے مطابق ڈھال لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ یو۔ پی جیسے صوبے میں بھی اردو زبان کے تحفظ کی ساری کوششیں ناکام ہوگئی ہیں۔ اب اردو زبان کا مستقبل صرف پاکستان سے وابستہ ہے۔

کیا فاضل رکن اسمبلی اردو زبان کے ساتھ پاکستان میں بھی وہ سلوک دیکھنا چاہتے ہیں جو بھارت کی متعصب ہندو جنتا روا رکھے ہوئے ہے؟

جب سے سندھ میں اردو سندھی کے لسانی جھگڑے نے سر اٹھایا ہے، پاکستان کے ایک مخصوص طبقے نے اردو بولنے والوں کی مخالفت کے جوش میں خود اردو زبان کے خلاف نیا محاذ قائم کر لیا ہے۔ کبھی یہ محاذ مقامی زبانوں کی ترویج کے دعوؤں کی صورت میں رونما ہوتا ہے تو کبھی کسی اور شکل میں۔ اگر آج مہاجر قومی موومنٹ کے ایک طبقے سے بالفرض کوئی جرم و سرزد ہوا ہے تو اس میں اردو زبان کا کیا قصور ہے۔ اگر زبان کے بولنے والوں کے جرم کی وجہ سے زبانوں کی حمایت یا مخالفت کی جائے تو انگریزوں سے زیادہ دور جدید میں کس قوم نے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ جب ان کے مصدقہ ظلم و ستم کے باوجود انگریزی زبان کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاتا تو پھر ایم۔ کیو۔ ایم کی وجہ سے اُردو زبان کی مخالفت کہاں تک جائز ہے؟

اسمبلیوں کے ارکان ایوان اسمبلی میں، اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ عوامی نمائندے کی حیثیت سے بات کرتے ہیں۔ کیا جناب عبدالرشید بھٹی یہ وضاحت کریں گے کہ انہوں نے مزعومہ بیان رائے عامہ کی ترجمانی کرتے ہوئے دیا؟ اگر نہیں، بلکہ یقیناً نہیں، تو پھر وہ عوامی ووٹ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ رائے عامہ کی اس ننگی توہین کرنے والے شخص کو ان کی نمائندگی کا تاج سر پر سجانا کہاں زیب دیتا ہے۔ ہماری اسمبلیوں کے فاضل ارکان جو معمولی سی باتوں پر ذاتی استحقاق کا معاملہ کھڑا کر دیتے ہیں، انہوں نے کھل کر عبدالرشید بھٹی کی مخالفت کیوں نہیں کی؟ سیاسی رفاقت کی بنیاد پر اتنے بڑے مسئلے پر خاموش رہنا کہاں کی دینداری ہے؟ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی رکن اسمبلی کے خلاف قرار دادِ مذمت پاس کریں تاکہ آئندہ کوئی بھی رکن اپنے ہفواتی فرمودات کے اظہار کے لئے ایوان کو استعمال نہ کرے۔ دیگر اربابِ حل و عقد کو بھی اس غیر ذمہ دارانہ بیان بازی کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے ○○

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مقالات

ابو جابر عبد اللہ دامانوی

اسلام میں صالح قیادت کا تصور

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی اور قیادت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام جیسی مقدس اور پاکیزہ ہستیوں کو مبعوث فرمایا اور اس کی ابتداء ابوالبشر جناب آدم علیہ السلام سے فرمائی اور ان کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾

"اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے فرمایا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" (البقرۃ:۳۰)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافتِ الٰہی یعنی زمین پر اپنی نیابت [1] بخشی، گویا انسان، خود قانون ساز

---

(۱) نیابت صرف اسی ذات کی ہو سکتی ہے جسے موت یا ایسی ہی کسی کمزوری کی بنا پر کار سازی سے دور رکھا جاسکے جبکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تدبیر کائنات کی کسی شے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتی۔ کیونکہ وہ انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اسے کبھی نیند یا اونگھ بھی نہیں آتی۔ جن حضرات نے انسان کے لئے نیابتِ الٰہی کا فلسفہ گھڑا ہے وہ نائبِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے ہی انسانی فرد یا اجتماع کو اللہ کی طرف سے قانون سازی کا اختیار دیتے ہیں جو تقلید کی بنیاد ہے۔ باقی رہا انسان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خود پیروی اور دوسروں سے عملداری کی کوششیں جس کے لئے اقامتِ دین یا نفاذِ شریعت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ تو اس کے لئے اللہ کی نیابت کی قطعاً ضرورت نہیں، یہ کام بندہ الٰہی ہونے سے بھی بخوبی ممکن ہے۔ دراصل یہ مغالطہ امام مہدی وغیرہ کے بارے میں بعض ضعیف احادیث میں وارد "خلیفۃ اللہ" کے لفظ سے داخل ہوا ہے حالانکہ وہاں اضافت تشریفی ہے جس طرح ناقۃ اللہ (اللہ کی اونٹنی) بیتُ اللہ (اللہ کا گھر) روح اللہ (اللہ کی روح، عیسیٰؑ) میں اضافت شرف دینے کے لئے گئی ہے اور یہ شرف بھی اسی بنا پر ہے کہ امام مہدی شریعت کی عملداری قائم کریں گے۔ مذکورہ بالا چیزوں میں اضافت حقیقی مان لی جائے تو شرک لازم آئے گا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: من اعتقد ان الانسان خلیفۃ اللہ فقد کفر (فتاویٰ کبریٰ: ج ۲) جو شخص انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ عقیدہ رکھے وہ کافر و مشرک ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم یا کسی صحیح حدیث میں خلیفہ کی اضافت بھی اللہ کی طرف نہیں ملتی (محدث)

magazine.mohaddis.com

نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو انسانوں پر نافذ کرنا، اس کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے صالح بندے ہی رکھتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ (۲)

"اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"

چونکہ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کے منتخب شدہ بندے ہوتے ہیں لہٰذا اس عہدہ کے لئے اُن سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کی ابتداء جناب آدم علیہ السلام سے فرمائی اور انبیاء کرامؑ کی اطاعت کو انسانوں پر لازم قرار دیا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳)

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا، اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے اِذن کی بنا پر اُس کی اطاعت کی جائے"

جناب داؤد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (۴)

"اے داؤدؑ! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کریں کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی"

دنیا میں غلبۂ اقتدار اور قیادت کی ذمہ داری بھی صرف اہلِ ایمان ہی کا حق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (۵)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (۶)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل

magazine.mohaddis.com

کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ○ اُن کے لئے، اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"

اہل ایمان کو جب خلافت مل جائے تو ان کی اولین ذمہ داری یہ ہوں گی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (۷)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے"

صالح قیادت کے ذریعے ریاست کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں، اس لئے کہ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کے عالمگیر اصول کی علمبردار امت بنایا ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (۸)

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امتِ وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"

انبیاء کرامؑ کی بعثت کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (۹)

○ انسان کی زمین میں خلافت باہمی انسانوں کے درمیان ہی ہے جیساکہ اس آیت میں تصریح ہے۔ سورۃ بقرہ کی ﴿ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ آیت میں انسان کے زمین مین خلیفہ پیدا کرنے کے یہی معنی ہیں۔ بعض حضرات نے "اپنا خلیفہ" کا غلط ترجمہ کیا ہے حالانکہ اس آیت میں نہ آدم کا ذکر ہے اور نہ ہی خلیفہ کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ انسان کا اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مخلوق ہوتا ہے نہ کہ خالق کی صفت۔ اللہ کی کوئی صفت جزوی طور پر بھی کسی انسان میں مان لی جائے یا انسان کی کسی صفت کو اللہ کی صفت سے تشبیہ دے دی جائے تو شرک لازم آتا ہے ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ محدث

magazine.mohaddis.com

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"

خلافت ایک امانت ہے اور یہ اسی شخص کو دی جائے جو اس کا حقدار ہو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ (۱۰)

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

"قرآن حکیم نے لفظ "امانات" بصیغہ جمع استعمال فرمایا۔ جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں..... اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں" (۱۱)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں:

"یعنی تم ان برائیوں سے بچے رہنا جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہوگئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں امانتیں، یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے مرتبے (Positions of Trust) ایسے لوگوں کو دینے شروع کردیئے جو نااہل، کم ظرف، بداخلاق، بددیانت اور بدکار تھے نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی جاری ہے کہ تم ایسا نہ کرنا بلکہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرنا جو ان کے اہل ہوں، یعنی جن میں بارِ امانت اٹھانے کی صلاحیت ہو" (۱۲)

احادیث میں بھی حکومت اور اس کے مناصب کو امانت قرار دیا گیا ہے:

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر نہیں فرماتے؟ رسول اللہ ﷺ نے

magazine.mohaddis.com

میرے مونڈھے کو تھپک کر فرمایا:

یا ابا ذر انک ضعیف وانها امانة وانها یوم القیمة خزی و ندامة الامن اخذها بحقها وادّی الذی علیه فیها و فی روایة قال له یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولّین مال یتیم (۱۳)

"اے ابوذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت) ایک امانت ہے اور بے شک قیامت کے دن یہ ذلت و رسوائی کا سبب بنے گی۔ البتہ جس شخص نے حق کے ساتھ اس کو لیا اور اس کے سلسلہ میں جو حق اس پر واجب ہے، اسے ادا کیا" (تو اس کے لئے ذلت و رسوائی نہیں ہوگی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اے ابوذر میں تجھے کمزور پاتا ہوں (تو امارت کے بوجھ کو نہ اٹھا سکے گا) اور میں تیرے لئے بھی اسی چیز کو پسند کرتا ہوں کہ جسے اپنے لئے پسند کرتا ہوں تو دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کی ولایت اپنے ذمہ لینا"

جناب ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انکم ستحر صون علی الامار ۃ وستکون ندامة یوم القیمة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة (۱۴)

"بے شک تم لوگ امارت کی حرص کرو گے اور قیامت کے دن تمہیں اس کی وجہ سے ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ پس یہ امارت ایک انا کی طرح ہے کہ دودھ پلاتے وقت تو مزہ اور دودھ چھٹتے وقت تکلیف"

اس حدیث میں ایک عمدہ مثال کے ذریعے امارت کی برائی کو بیان کیا گیا ہے یعنی جب حکومت ملتی ہے تو بڑا لطف آتا ہے لیکن جب یہ چھن جاتی ہے تو اس کا شدید رنج ہوتا ہے اور قیامت کے دن، اس پر جو ندامت و شرمندگی ہوگی تو اس وقت کے عذاب کی شدت کا اندازہ ہی مشکل ہے۔ جناب عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا عبدالرحمن لا تسأل الامارۃ فانک ان اُوتیتها عن مسئلة وکلت الیها و ان اُوتیتها عن غیر مسئلة اُعنت علیها (۱۵)

"اے عبدالرحمٰن! امارت کا سوال نہ کر، اس لئے کہ اگر مانگنے سے تجھے حکومت ملے گی تو تُو حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اللہ اپنی مدد تجھ سے اٹھا لے گا) اور اگر بن مانگے تجھے حکومت مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی"

جناب ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے دو بیٹے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ نے

آپ ﷺ کو جو حکومت دی ہے اس میں سے ہمیں بھی کسی جگہ کا حاکم مقرر کر دیجئے؟ اور دوسرے نے بھی اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا۔ پس نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انّا لا نولی علی ھذا العمل أحدا سأله ولا أحدا حرص علیه و فی روایة قال لا نستعمل علی عملنا من اراده (۱۶)

"بے شک ہم کسی کو اس حکومت کا حاکم مقرر نہیں کرتے کہ جو اس کا سوال کرے اور نہ اس کو کہ جو اس کی حرص کرے" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ہم اس شخص کو اس کام کا حاکم مقرر نہیں کرتے کہ جو اس کا ارادہ رکھتا ہو"

جناب ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تجدون من خیر الناس اشدھم کراھیة لھذا الامر حتی یقع فیه (۱۷)

"تم ان لوگوں کو بہترین پاؤ گے جو امارت و حکومت کو بہت زیادہ برا سمجھتے ہوں حتیٰ کہ وہ اس میں واقع ہو جائیں۔"

ان احادیث کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلافت و امارت ایک امانت ہے اور یہ امانت اسی شخص کے سپرد کی جائے کہ جو حکومت طلب نہ کرے اور نہ ہی اس کے دل میں حکومت حاصل کرنے کی لالچ و حرص موجود ہوں۔ امیر یا خلیفہ کے انتخاب کے لئے مسلمانوں کے اہلِ حل و عقد میں سے جو مجلسِ شوریٰ منتخب ہو وہ اپنے ہی سب سے زیادہ متقی، عالم اور باصلاحیت شخص کا انتخاب کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے وصیت لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر یہ کہہ کر آپ ﷺ اس ارادہ سے باز آگئے کہ:

یأبی اللہ ویدفع المؤمنون او یدفع اللہ ویابی المومنون (۱۸)

"اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ کی خلافت کے علاوہ دوسرے کی خلافت کا انکار کرے گا اور مومنین بھی دوسرے کی خلافت کو تسلیم نہ کریں گے۔ یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دفع کر دے گا اور مسلمان بھی دوسرے کی خلافت کا انکار کر دیں گے"

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرامؓ کو منتخب کر کے ان میں ایک کو خلافت کے لئے منتخب کرنے کی ذمہ داری کو اہل حل و عقد پر چھوڑ دیا تھا (۱۹) کیونکہ مسلمانوں کے ایسے اہم اُمور مسلمانوں کی شوریٰ کے ذریعے طے ہوتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ (۲۰)

"اور (اہل ایمان کی یہ خوبی ہے کہ) وہ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے

magazine.mohaddis.com

ہیں، اپنے معاملات آپ کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق اُنہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں"

اور آل عمران:۱۵۹، میں مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿ وشاورھم فی الامر ﴾

مغربی جمہوریت میں یہ بات ضروری ہے کہ امیدوار اپنے آپ کو حکومت کے عہدے کے لئے پیش کرے اس کے لئے مہم چلائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ہم نوا بنانے کی کوشش کرے اور اب تو لیلائے اقتدار تک پہنچنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں اور پھر اقتدار میں وہ لوگ جا پہنچتے ہیں جو اس عہدے کے لئے بالکل ہی نااہل ہوتے ہیں- یہ لوگ دھوکے باز، وعدہ خلاف، فراڈی اور فاسق و فاجر ہوتے ہیں- ان کی نگاہ میں اسلام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی- ایسے نااہل کو حکومت کی کوئی ذمہ داری سونپنا اسلام کی روح کے منافی ہے:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی..... نبی ﷺ نے فرمایا:

فاذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال: کیف اضاعتھا؟ قال اذا وُسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (۲۱)

"جب امانت کو ضائع کردیا جائے تو تو قیامت کا انتظار کر- اس نے پوچھا: امانت کو کس طرح ضائع کیا جائے گا؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حکومت نااہل کے حوالے کردی جائے تو تُو قیامت کا انتظار کر"

اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان اور باغی حکومت کے کسی بھی عہدہ کے لئے نااہل ہے- اسی طرح عورت بھی مردوں پر حکمران نہیں بن سکتی کیونکہ وہ بھی حکومت کے کسی بھی منصب کے لئے نااہل قرار دے دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (۲۲)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں"

قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو- (۲۳) اور یہی کام حاکم کا بھی ہوتا ہے-

جو کفر صریح کا ارتکاب کر رہے ہیں" (المائدۃ: ۴۴)

سورۃ النساء (آیت: ۶۰) میں ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ﴾ (۲۵)

"کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں، اس وحی و تنزیل پر جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی اور جو آپ ﷺ سے پہلے نبیوں پر نازل کی گئی اور پھر چاہتے ہیں کہ اللہ کے باغی اور سرکش انسانوں کو اپنا حاکم ٹھہرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوتی قانون کو تسلیم نہ کریں"

اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگ دوسرے انسانوں کو أربابا من دون اللہ بنانے کے بجائے ایک اللہ کو اپنا رب مانیں اور اسی کی حاکمیت اور قانون کو تسلیم کریں۔

صالح قیادت کے قیام کا طریقہ کار

دنیا میں صالح قیادت کے قائم ہونے کا طریقہ کار وہی ہے جو ہمیں انبیاء کرامؑ نے بتایا۔ انسانوں نے جب بھی اللہ تعالیٰ کو فراموش کرکے اپنے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی اختیار کرکے من مانی کرنے لگے اور اللہ کے ورے بے شمار معبودانِ باطلہ کو پوجنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے انبیاء کرامؑ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ انبیاء کرامؑ نے ان کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی اور دوسرے تمام معبودانِ باطلہ سے اجتناب کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی پیروی و اطاعت کا بھی حکم دیا:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (۲۶)

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کردیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو" اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہوگئی پھر ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہو چکا ہے"

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

"ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی

magazine.mohaddis.com

اللہ و معبود نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو" (۲۷)

اللہ کے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز مکہ مکرمہ سے فرمایا اور تیرہ سال تک لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دیتے رہے اور اس دعوت کے نتیجے میں ہر طرح کے مصائب و مشکلات کو برداشت کیا۔ اور پھر وہ وقت بھی آگیا کہ انہیں اس کی خاطر اپنا محبوب وطن مکہ مکرمہ بھی چھوڑنا پڑا اور ہجرت کے مراحل طے فرمائے اور جب مدینہ تشریف لائے تو دس سالہ مدنی دور میں دن رات جہاد ایسے فریضہ کو ادا فرماتے رہے۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ کے بعد جہاد لازم ہو جاتا ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ (۲۸)

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور ہم نے فولاد بھی اتارا جس میں جنگ کی شدید (طاقت) ہے اور لوگوں کے لئے دوسرے منافع بھی ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اُس کو دیکھے بغیر اُس کی اور اُس کے رسول کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"

مدنی دور میں نبی ﷺ نے کل اکیاسی جنگیں لڑیں جن میں سے ستائیس جنگوں میں نبی ﷺ بنفسِ نفیس شامل رہے۔ نبی ﷺ کی تیرہ سال کی دن رات کی محنت سے تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ تیار ہوئے تھے لیکن جب جہاد و قتال کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر لوگوں نے ﴿ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ کا سماں بھی دیکھا کہ لوگ فوج در فوج، دین میں داخل ہو رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله و يقيموا الصلوة ويوتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دماء هم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله (۲۹)

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں، جب تک کہ وہ اس کا اقرار نہ کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کرنے لگیں پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیں گے اور صرف اسلام کا حق ان پر رہے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے"

magazine.mohaddis.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کے عورتوں پر قوام ہونے کی دو وجوہات ذکر فرمائیں ہیں۔ پہلی یہ کہ فطری طور پر مرد کو عورت پر فضیلت و برتری دی گئی ہے اور دوسری یہ کہ مرد عورتوں پر اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر لحاظ سے وہ قوام ہیں۔ غرض نبوت، خلافت، امامت وغیرہ جیسے امور کا ذمہ دار مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ مرد صنفِ قوی بھی ہے جبکہ عورت صنفِ نازک ○ ہے اور بارِ خلافت اٹھانے کی اہلیت اس میں موجود نہیں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہ خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن یفلح قوم ولّوا امرھم امراۃ (۲۴)

"وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے ملک کا حاکم عورت کو بنالیا ہو"

قرآن کریم کی آیات اور نبی ﷺ کی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صالح قیادت میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہوں گی:

۱۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

2۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول مانیں گے اور ہر معاملہ میں اُن کی ہی اطاعت کریں گے۔

۳۔ یہ انتہا درجہ کے متقی خدا ترس اور نیک لوگ ہوں گے یہ خلافت کے امیدوار نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کے دل میں خلافت و امارت کی طمع و حرص ہوگی۔

۴۔ یہ نماز اور زکاۃ کے نظام کو قائم کرنے والے اور نیکی کا حکم دینے والے اور برائیوں کا قلع قمع کرنے والے ہوں گے۔

۵۔ یہ دنیا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے والے ہوں گے۔

۶۔ یہ انتہا درجہ کے ذمہ دار لوگ ہوں گے کیونکہ ان کو احساس ہے کہ وہ کل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسئول ہوں گے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

○ مرد کے دائرہ کار میں عورت ذمہ داری کے اعتبار سے واقعی بہت کمزور ہے جبکہ اپنے دائرہ کار ولادت و حضانت اور مرد کی زیرِ نگرانی، گھر کی دیکھ بھال جیسے اُمور میں بہت کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ (محدث)

magazine.mohaddis.com

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته

"تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہو گا"

(صحیح بخاری)

۷۔ یہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرتے رہیں گے۔

اسلامی مملکت میں حکومت کا حق

قرآن مجید کا طرزِ استدلال یہ ہے چونکہ اس کائنات کو عدم سے وجود میں لانے والا وہ اللہ ہے جو کائنات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ لہٰذا امر کا حق (Right of Rule) بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کے ملک (Dominion) میں اس کی مخلوق پر اس کے سوا کسی دوسرے کا حکم نافذ ہونا صریحاً غلط ہے جیساکہ سورۃ الاعراف (آیت:۵۴) میں ہے:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾

"دیکھو مخلوق کو اسی نے پیدا کیا ہے اور حکم بھی اس کا ہے"

اور سورۂ کہف (آیت:۲۶) میں ہے:

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾

"اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا"

اور سورۃ آل عمران (آیت:۱۵۴) میں:

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾

"لوگ پوچھتے ہیں کیا حاکمیت میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ حاکمیت تو بس اللہ ہی کی ہے"

انسان کو صرف اس قانون کی پیروی کرنی ہے جو مالکُ الملک نے بنایا ہے اس کے قانون کو پس پشت پھینک کر جو شخص یا ریاست خود قانون بناتی ہے یا اللہ سے ہٹ کر کسی اور کے بنائے ہوئے قانون ○ کو تسلیم کرتی ہے اور اس کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ قرآن مجید اسے طاغوت اور باغی قرار دیتا ہے اور اس کے فیصلے پر عمل کرنے والا بھی بغاوت کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

"اور جو اللہ کے اُتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں دیتے یہی لوگ ہیں

○ قانون کا لفظ نظام کے معنوں میں ہے، ورنہ اللہ کے قانون کے لئے محتاط لفظ "حکم واحکام" کے ہیں۔ (محدث)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دشمنوں کو اور اُن دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے"

اگر آج مسلمان اجتماعی طور پر جہاد کی تربیت حاصل کرنا شروع کردیں اور جہاد کے لئے تیار ہوجائیں تو دشمن پر خوف و دبدبہ چھا جائے گا جیسا کہ افغانستان میں جب مسلمانوں نے جہاد شروع کیا تو ایک سپر طاقت کا دنیا سے وجود ہی مٹ گیا اور جب کشمیر، بوسنیا وغیرہ میں بھی جہاد کی تحریکیں اٹھنا شروع ہوگئی تو امریکہ، اسرائیل اور بھارت پر لرزہ طاری ہوچکا ہے لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ جہاد کی راہ کو اختیار کریں تاکہ ان سے یہ ذلت و رسوائی دور ہوجائے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قریب ہے کہ دوسری (غیر مسلم) قومیں تم سے لڑنے اور تمہیں مٹانے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں کہ جیسے کھانا کھانے والے دوسرے (بھوکے) لوگوں کو دسترخوان پر بلاتے ہیں" یہ سن کر صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے پوچھا: "وہ لوگ ہم پر اس لئے غلبہ حاصل کرلیں گے کہ اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟" نبی ﷺ نے فرمایا: "بلکہ تم ان دنوں بہت زیادہ تعداد میں ہوگے لیکن ایسے جیسے کہ دریا یا نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں (یعنی تم نہایت کمزور اور ضعیف ہوگے) تمہارا رعب اور ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وھن کی بیماری پیدا ہوجائے گی" کسی نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول ﷺ "وھن" (ضعف و سستی) کیا چیز ہے؟" نبی ﷺ نے فرمایا:

حب الدنیا وکراھیۃ الموت —— "دنیا کی محبت اور موت سے نفرت" (۳۹)

یعنی اس دور میں مسلمان مادیت کی دوڑ میں اتنے آگے ہوں گے کہ دنیا کی محبت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرجائے گی جس کے نتیجہ میں وہ موت سے ڈرنے لگیں گے اور اس طرح جہاد فی سبیل اللہ کو وہ ترک کردیں گے۔

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا:

اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد سلط اللہ علیکم ذلا لا ینزعہ حتی ترجعوا الی دینکم (۴۰)

"جب تم بیع عینہ (سود کی ایک قسم) کو اختیار کروگے اور گائے بیل کی دُمیں تھام لوگے اور کھیتی سے خوش رہوگے اور جہاد کو چھوڑ دوگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کردے گا اور تم سے ذلت دور نہ کرے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف پلٹ آؤ"

اس حدیث میں جہاد کو دین قرار دیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ جہاد سے دین کی بقا ہے اور جب

magazine.mohaddis.com

جہاد ختم ہوگیا تو دین ختم ہو جائے گا۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن یبرح ھذا الدین قائما یقاتل علیہ عصابۃ من المسلمین (۴۱)

"یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور (اس کی بقا کے لئے) مسلمانوں کی ایک جماعت (کہیں نہ کہیں) ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی یہاں تک قیامت قائم ہو"

ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح کا مضمون بیان ہوا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں "اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ" سے مل کر مسیح دجال کے خلاف جنگ کریں گے"

خلاصہ کلام

ثابت ہوا کہ صالحین کی ایک جماعت کو دین کے قیام کے لئے قربانیاں دینی ہوں گی اور صحیح ایمان و عقیدہ کو اختیار کرکے اور طاغوت کا انکار کرکے قوم کو ایک اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینا ہوگی اور شرک کا سختی سے رد کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور بھی اجاگر کرنا ہوگا اور ہر اس دعوت حق کے نتیجہ میں ہجرت اور پھر جہاد ایسی راہوں سے بھی گزرنا پڑے گا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (۴۳)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا، وہ رحمتِ الٰہی کے جائز امیدوار ہیں، اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے"

غرض ان خار دار اور کٹھن راہوں سے گزر کر ہی صالح قیادت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

---

(۲) الانبیاء:۱۰۵ —— (۳) النساء:۶۴ —— (۴) ص:۲۶ —— (۵) آل عمران:۱۳۹ —— (۶) النور:۵۵ —— (۷) الحج:۴۱ —— (۸) البقرہ:۱۴۳ —— (۹) الحدید:۲۵ —— (۱۰) النساء:۵۸ —— (۱۱) معارف القرآن جلد دوم ص۴۴۶، طبع ادارۃ المعارف کراچی ۴۱ —— (۱۲) تفہیم القرآن جلد اول ص ۳۶۲ —— (۱۳) صحیح مسلم کتاب الامارہ باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، مشکاۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء —— (۱۴) صحیح بخاری کتاب الاحکام باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ —— (۱۵) صحیح بخاری کتاب الاحکام باب من سال الامارۃ وکل الیھا۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا۔ مشکاۃ المصابیح باب الامارۃ والقضاء۔ (۱۶) صحیح بخاری، صحیح مسلم بحوالہ مشکاۃ المصابیح ۲/۱۰۸۹ طبع بیروت

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا عقیدہ اور اصلاحی مجلہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بعثت بين يدى الساعة حتى يعبدالله وحده لاشريك له وجعل رزقى تحت ظل رمحى وجعل الذلة والصغار على من خالف امرى ومن تشبه بقوم فهو منهم (۳۰)

"میں قیامت سے پہلے (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہوں، تاکہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی جائے اور میرا رزق نیزے کی اَنّی میں رکھا گیا ہے اور جو میرے حکم کی مخالفت کرے گا، اس پر ذلت و رسوائی مقرر کی گئی ہے اور جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا"

جہاد قیامت تک اہلِ ایمان پر فرض قرار دیا گیا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾ (۳۱)

"تم پر قتال فرض قرار دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے"

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾ (۳۲)

"اور تم ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لئے ہو جائے"

﴿ وَقَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴾ (۳۳)

"اور قتال کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں"

"یعنی لڑائی کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دینِ حق کے پیرو بن جائیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی بالادستی ختم ہو جائے۔ وہ زمین میں حاکم اور صاحبِ امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات متبعینِ دینِ حق کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع اور مطیع بن کر رہیں" (۳۴)

جہاد ایک ایسا فریضہ ہے کہ جس سے دین ہمیشہ زندہ رہتا ہے، لہٰذا دین کے احیاء اور اقامت کے لئے جہاد کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے: (۳۴)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ﴾

magazine.mohaddis.com

"اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اُس چیز (یعنی جہاد) کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے"(۳۴)

صحابہ کرامؓ نے جب جہاد کا سلسلہ شروع کیا تو وہ پوری دنیا میں پھیل گئے اور جہاد و قتال اور ایمان کی برکت(۳۵) سے دین پوری دنیا میں پھیل گیا:

﴿ هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ (۳۵)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کردے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے"

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا و مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا(۳۶)

"اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سمیٹ لیا پس میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچ جائے گی کہ جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی"

حضرت تمیم الداریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لیبلغن ھذا الامر ما بلغ اللیل والنھار ولا یترک اللہ بیت مدر ولا وبر الا أدخلہ اللہ ھذا الدین(۳۷)

"یقیناً یہ دین وہاں تک پہنچ جائے گا کہ جہاں تک دن اور رات پہنچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی بھی بڑے اور چھوٹے گھر کو نہیں چھوڑے گا مگر اس دین کو وہاں داخل کرے گا"

ترکِ جہاد ذلت و رسوائی کا سبب ہے

اللہ کا یہ دین مشرق و مغرب یعنی پوری دنیا میں جہاد ہی کی برکت سے پھیلا تھا اور جب سے مسلمانوں نے جہاد کو ترک کردیا تو ذلت و رسوائی بھی ان کا مقدر بن گئی اور دنیا سے ان کا وہ رعب و دبدبہ ختم ہوگیا تو جو جہاد کی بدولت ان کو حاصل ہوا تھا:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾ (۳۸)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے

magazine.mohaddis.com

(۱۷) صحیح بخاری و صحیح مسلم بحوالہ مشکاۃ المصابیح ۲/۱۰۹۰۔ الرقم ۳۶۸۴ طبع بیروت ——— (۱۸) صحیح بخاری کتاب المرضی۔ مشکاۃ المصابیح باب وفات النبی ﷺ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ——— (۱۹) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ ——— (۲۰) الشوریٰ: ۳۸ ——— (۲۱) صحیح بخاری کتاب العلم باب من سئل علما وھو مشتغل فی حدیثہ ——— (۲۲) النساء: ۳۴ ——— (۲۳) تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۴۹ ——— (۲۴) صحیح بخاری۔ مشکاۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء ——— (۲۵) (ماخوذ) اسلامی ریاست کے چند ناگزیر تقاضے ص ۴ تا ص ۶ مصنف مولانا سید ابوبکر غزنوی" طبع شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور ——— (۲۶) النحل: ۳۶ ——— (۲۷) الانبیاء: ۲۵ ——— (۲۸) الحدید: ۲۵ ——— (۲۹) صحیح بخاری و صحیح مسلم بحوالہ مشکاۃ المصابیح کتاب الایمان ——— (۳۰) رواہ احمد فی مسندہ (۲/۵۰-۹۲) (طبع بیروت) و رواہ البخاری معلقا فی الجہاد باب ماقیل فی الرماح۔ وقال ابن حجر عسقلانی: وفی الاسناد عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان مختلف فی توثیقہ۔ ولہ شاھد مرسل باسناد حسن اخرجہ ابن ابی شیبہ من طریق الاوزاعی عن سعید بن جبلۃ عن النبی ﷺ بتمامہ (فتح الباری ۶/۹۸ طبع دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور) وقال الالبانی: واسنادہ حسن (مشکاۃ المصابیح ۲/۱۲۴۶ طبع بیروت) ——— (۳۱) البقرۃ: ۲۱۶ ——— (۳۲) الانفال: ۳۹ ——— (۳۳) التوبۃ: ۲۹ ——— (۳۴) (ماخوذ) تفہیم القرآن جلد دوم ص ۱۸۸ ——— (۳۴) الانفال: ۲۴ ——— (۳۵) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف (اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے) صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف ——— (۳۵) الفتح: ۲۸ ——— (۳۶) صحیح مسلم کتاب الفتن، مختصر صحیح مسلم المنذری ص ۵۳۱ (طبع المکتب الاسلامی بیروت و (دمشق) و رواہ ابوداؤد والترمذی و صححہ وابن ماجہ واحمد فی مسندہ (۵/۲۷۸، ۲۸۴-۴/۱۲۳) مشکاۃ المصابیح کتاب الفضائل و الشمائل باب فضائل سید المرسلین (۳/۱۶۰۲) الرقم: ۵۷۵۰۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۱/۷) طبع بیروت ——— (۳۷) مسند احمد (۴/۱۰۳) مستدرک لامام حاکم (۴/۴۳۰) سنن الکبریٰ لامام البیہقی (۹/۱۸۱) مجمع الزوائد (۶/۱۴)، ۸/۲۶۲) وقال الہیثمی: رواہ احمد والطبرانی و رجال احمد رجال الصحیح ——— (۳۸) الانفال: ۶۰ ——— (۳۹) رواہ ابوداؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ (مشکاۃ المصابیح ۳/۱۴۷۵ وقال الالبانی: وھو حدیث صحیح۔ وقال الاستاذ زبیر علی زئی حفظہ اللہ و اسنادہ حسن لشاھدہ الذی عند احمد (۵/۲۷۸) وغیرہ راجع الصحیحہ للالبانی رقم ۹۵۸ و حاشیۃ شرح السنۃ (۱۵/۱۶) بحوالہ: الفرقۃ الجدیدہ ص ۱۶۶ مصنفہ ابوجابر عبداللہ دامانوی ——— (۴۰) سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ، السنن الکبریٰ للبیہقی (۵/۳۱۶) مسند احمد (۲/۲۸، ۴۲، ۸۴) صححہ الالبانی (الصحیحہ ۱/۱۵) ——— (۴۱) صحیح مسلم بحوالہ مشکاۃ المصابیح کتاب الجہاد ——— (۴۲) سنن ابی داؤد مشکاۃ المصابیح ——— (۴۳) البقرۃ: ۲۱۸

magazine.mohaddis.com

رپورٹ

حافظ حسن مدنی

لاہور میں مدینہ یونیورسٹی کا تعلیمی پروگرام

زبان صرف اظہار خیالات کا ذریعہ نہیں ہوتی بلکہ ہر زبان کے پیچھے ایک تہذیب وثقافت بھی ہوتی ہے عربی زبان تو قرآن و حدیث کی زبان ہے، اسی لئے وہ خالق کائنات کی معرفت اور دین فطرت کی ترجمانی کا ایک مخصوص مزاج بھی رکھتی ہے اس لئے یہ مسلمانوں کی بین الاقوامی زبان ہے۔ چونکہ اسلامی شریعت کے نہ صرف تمام بنیادی ماخذ عربی زبان میں ہیں بلکہ یہی زبان مسلمانوں کے روشن ماضی اور علمی ورثہ کی امین بھی ہے، اس لئے اس سے لاتعلقی ہمیں اپنے شاندار ماضی سے کاٹ دیتی ہے گویا اس زبان سے ہمارا علمی، ثقافتی، تاریخی اور دینی رشتہ ہے۔ پھر ہمارے لئے یہ خوش بختی ہے کہ عربی دنیا کی دوسری تمام زبانوں پر تعبیری اعتبار سے بھی فوقیت رکھتی ہے۔

حسن اتفاق سے عالم اسلام اس وقت جغرافیائی طور پر نہ صرف مربوط ہے بلکہ بیش قیمت قدرتی مادی وسائل سے مالا مال بھی ہے۔ دنیاوی ترقی کے لئے عالم اسلام کے وسائل کی یکجائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ پاکستان کو عالم اسلام میں متعدد وجوہ کی بنا پر جو بلند مقام حاصل ہے اسے قائم رکھنے اور دشمنوں کی سازشوں سے بچانے کے لئے عالم اسلام سے وابستہ رکھنا شدید ضروری ہے جس کا ایک تقاضا عرب ممالک سے تجارتی اور ثقافتی تعلقات کا فروغ ہے جو عربی زبان میں افہام و تفہیم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ گویا عربی زبان نہ صرف ہماری دینی ضرورت ہے بلکہ ہماری سیاسی ضرورتوں کی کفیل بھی ہے۔ عربی زبان میں افہام و تفہیم کی آسانی کی صورت، اسلامی ممالک کے متنوع شعبوں کے ماہرین صلاحیتوں کا بہتر طور پر تبادلہ کرسکتے ہیں جس سے یہ زبان ان کی نظریاتی اور جغرافیائی حدود کے دفاع کی ضامن بھی ہوگی۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی مذہبی گروہ بندی اور تعصب کی ایک بڑی وجہ عربی زبان سے ناواقفی بھی ہے۔ عربی زبان سے واقفیت ہمیں منابع شریعت قرآن و حدیث سے براہ راست استفادے کا اہل بنادے گی جو مسلمانوں کے درمیان باہمی تقریب کا باعث ہوگا۔ اس طرح نفرتیں کم

ہو کر ملی استحکام حاصل ہو گا۔

مذکورہ بالا مقاصد کے پیش نظر مدینۃ الرسول کی عظیم یونیورسٹی "جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ" نے دنیا کے مختلف ممالک میں عربی زبان کو فروغ دینے کی سکیم بنائی ہے جس میں علماء کے لئے ریفریشر کورس بھی شامل ہیں۔ ان کورسوں کا زیادہ تر اہتمام تعطیلات گرما میں ہوتا ہے جن میں مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ تعلیمی اور تربیتی خدمات انجام دیتے ہیں۔ لیکن لاہور میں اس دفعہ خصوصی اہتمام یہ تھا کہ علماء کے ریفریشر کورس کے علاوہ قانون دانوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی عربی زبان اور اسلامی شریعت کی تعلیم میں بڑی گرمجوشی سے حصہ لیا، ان کے لئے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے زیر اہتمام انسٹی ٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز (المعهد العالي للشريعة وا لقضاء) نے مخصوص کورس تشکیل دے کر ایک مستقل پروگرام وضع کیا تھا جس کی تفصیلات شیخ الجامعہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے امسال اپنے امریکہ کے دورہ سے قبل حج کے موسم میں مدینہ یونیورسٹی کے ذمہ داروں سے بات چیت کرکے طے کی تھیں۔ چنانچہ موصوف جب اپنے حالیہ دورہ امریکہ اور مشرق وسطیٰ سے واپس آئے تو مدینہ یونیورسٹی کا تعلیمی پروگرام تیار تھا، جامعہ کی عمارتوں کی تنگ دامانی اور علماء اور قانون دانوں کے دو مستقل پروگراموں کے پیش نظر خصوصی انتظامات کئے گئے۔

ریفریشر کورس برائے علماء

اس کورس میں جملہ مکاتب فکر کے علماء کو بلاامتیاز شرکت کا موقعہ دیا گیا جن میں اہم دینی مدارس کی آخری کلاس کے طلبہ بھی شامل تھے۔ مورخہ یکم جولائی ۱۹۹۵ء سے کورس کے انچارج ڈاکٹر محمد سدیس کی آمد سے داخلہ کے انٹرویو شروع کردیئے گئے۔ علماء کی بہت بڑی تعداد داخلہ کی خواہشمند تھی لیکن مسلسل تین دن انٹرویو کے بعد ۱۶۵ طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ تعلیم کے اوقات روزانہ صبح ۸ تا ۱ بجے دوپہر تھے جس میں تین مختلف کلاسیں بنائی گئیں۔ اس دوران جامعہ ہذا کے اپنے طلبہ کی تعلیم بھی باقاعدہ جاری رہی۔ مہمان طلبہ کے بہتر انتظامات کے لئے جامعہ کی بعض کلاسوں کو جامعہ کے دو ذیلی اداروں میں ایک ماہ کے لئے بھیج دیا گیا۔ جامعہ ہذا کے طلبہ میں سے ۲۵ طلبہ اس دورہ میں شریک ہوئے۔

تین ہفتہ کے دورانیہ پر محیط یہ کورس اساتذہ اور طلبہ کی ان تھک محنت سے بخیر و خوبی جاری رہا۔ انتظامی امور کی اس قدر پابندی کروائی گئی کہ کہ ایک یوم غیر حاضر ہونے والے کو کورس سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ دیگر نظم و نسق بھی مثالی رہا۔ طلبہ کو درسی کتب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے فراہم کی گئیں اور دیگر امور مثلاً قیام و طعام کے تمام اخراجات جامعہ ہذا

magazine.mohaddis.com

نے برداشت کئے۔ مورخہ ۲۷ جولائی کو تحریری امتحان پر یہ کورس اختتام پذیر ہوا۔ شرکاء، کورس کی افادیت پر کافی مطمئن دکھائی دیتے تھے۔ صرف تین ہفتہ کے عرصہ میں بھرپور نصاب کو تیز رفتاری سے مکمل کیا گیا۔ پڑھائے جانے والے علوم درج ذیل تھے:

تفسیر قرآن، حدیث نبوی ﷺ ، اصول حدیث، تقابل ادیان، علم نحو وصرف، ادب وانشاء، سیرت رسول ﷺ ، التربیۃ وطرق التدریس

کورس برائے قانون دان حضرات:

وکلاء اور جج حضرات، عدلیہ کے دو ستون ہیں۔ وطن عزیز میں اسلامی شریعت کے نفاذ کو موثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے قانون دان تیار کئے جائیں جو ملک کی دینی علمی ضرورت کو پورا کریں۔ اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر مجلس تحقیق اسلامی عرصہ ۱۵ سال سے قانون دان حضرات کی دینی تربیت کے لئے کوشاں ہے۔

اس بار بھی اس کورس کے انعقاد پر مجلس نے فیصلہ کیا کہ اس سے قانون دان حضرات کو بھی شریعت اور زبان عربی سیکھنے کا موقع ملنا چاہیے۔ لہٰذا لاہور ہائی کورٹ کے معزز جج حضرات اور بار کے خصوصی تعاون اور شوق سے مجلس کو اعزاز حاصل ہوا کہ اس ریفریشر کورس میں عدلیہ کے اہم اور نمایاں افراد کی اتنی بڑی تعداد نے شرکت کی جس کی مثال اس سے قبل پرائیویٹ طور پر ہونے والے کورسوں میں ملنا مشکل ہے۔ وکلاء کے ساتھ ساتھ لاہور کے بعض نامور دانشور حضرات نے بھی اس کورس کو رونق بخشی۔

۵ جولائی کو ہونے والے انٹرویو کے لئے ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ جن میں خواتین جج اور وکلاء بھی شامل تھیں چنانچہ اسلامی تہذیب کے امتیازی پہلو کے پیش نظر خواتین کے لئے باپردہ نشست کا انتظام کیا گیا۔ اس کلاس میں ہائی کورٹ، سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے دس جج صاحبان کے علاوہ سیشن اور سول جج حضرات کی کثیر تعداد تھی۔ کل شرکاء کورس ۱۰۸ حضرات تھے جن میں جج اور وکلاء کے علاوہ ۲۶ خواتین شامل تھیں، اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر انتظام مختلف مقامات پر قائم سنٹرز کی معلمات بھی شریک ہوئیں۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑی تعداد شیخوپورہ، چوکی اور قصور سے روزانہ تشریف لاتی رہی۔

ہفتہ اور جمعہ کے سوا بعد نماز عصر تین گھنٹے روزانہ مجلس تحقیق اسلامی کی لائبریری (بمقام ۹۹- جے ماڈل ٹاؤن) میں لیکچر ہوتے۔ جن میں عربی زبان پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی، مختلف موضوعات پر محاضرات میں بھی اصل مقصد، عربی زبان کی تفہیم وتدریب کو پیش نظر رکھا گیا۔ مولانا

magazine.mohaddis.com

مدنی صاحب نے بھی "Islamic Legal Maxims" پر مفید لیکچر دیئے۔

مدینہ منورہ یونیورسٹی کے تعاون سے جاری ہونے والا یہ کورس ۲۷ ۱۹۹۵ء جولائی کو اختتام پذیر ہوا۔

تقریب تقسیم اسناد

موسم کی حدت اور شرکاء کی کثرت کے پیش نظر تقریب تقسیم اسناد کا اہتمام Olives Restaurant ڈیفنس سوسائٹی لاہور کینٹ میں کیا گیا۔ جس کا اختتام ظہرانہ پر ہوا۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی پاکستان کے محتسب اعلیٰ جسٹس عبدالشکور سلام تھے۔ تقریب میں سعودی مذہبی اتاشی اور عرب ممالک کے سفارتی نمائندے شریک ہوئے۔

حافظ حمزہ مدنی کے تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ بعد ازاں مولانا عبدالرحمٰن مدنی صاحب نے ادارہ کا مختصر تعارف اور پاکستان و سعودی عرب کے اسلامی اخوت پر مبنی تعلقات پر تبصرہ کیا اور مہمان حضرات کو خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ سے تشریف لانے والے معزز مہمان ڈاکٹر عبدالرحمان محی الدین (خطیب مسجد قبلتین) نے اس کورس کے کامیاب انعقاد پر ادارہ کا شکریہ ادا کیا اور سعودی حکومت کی طرف سے نیک جذبات کا اظہار کیا۔ ادارہ کے حسن انتظام اور کارکردگی کو سراہا اور اسے پاکستان کے لئے ایک نعمت قرار دیا، بعد ازاں مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ایک اور مہمان ڈاکٹر مہدی عمار نے جامعہ لاہور الاسلامیہ میں اس کورس کے کامیاب انعقاد پر عربی میں ایک طویل قصیدہ حاضرین کے گوش گزار کیا

ادارہ کی طرف سے جسٹس رفیق تارڑ صاحب (چیئرمین) نے ان کی نیک خواہشات پر تشکر آمیز کلمات کہے اور فرمایا کہ شرکاء کے لئے یہ امر سب سے زیادہ برکت کا باعث ہے کہ اس کورس کے نتیجے میں جاری ہونے والے سرٹیفکیٹ سے ان کا تعلق مدینۃ الرسول سے قائم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد پاکستان میں متعین سعودی مذہبی اتاشی کو دعوت خطاب دی گئی۔ بعد ازاں محتسب اعلیٰ جسٹس اے۔ ایس سلام نے ڈاکٹر محمد عبدالعزیز سدیس کی معیت میں شرکاء کو اسناد تقسیم کیں۔ آخر میں ڈاکٹر عبدالرحمان محی الدین نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں فروغ، عربی زبان کی نشرواشاعت، امت مسلمہ کے لئے دین و دنیا کی سرفرازی اور کامیابی کے لئے دعائیں کیں۔

magazine.mohaddis.com

ورلڈ شریعت کونسل قصور کی تنظیم و تشکیل

مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء کو اہلحدیث وکلاء قصور کے زیر اہتمام ضلع کچہری قصور میں ایک اجلاس ہوا۔ جس میں ورلڈ شریعت کونسل اور جمعیت وکلاء اہلحدیث قصور کی تنظیم و تشکیل کی گئی۔ شرکاء مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ محترم جناب حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب (نائب صدر ورلڈ شریعت کونسل) ـــــ ۲۔ محترم جناب خواجہ حفیظ اللہ صاحب، ایڈووکیٹ ـــــ ۳۔ محترم میاں جمشید حسین کھوکھر، ایڈووکیٹ (صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن قصور) ـــــ ۴۔ سردار محمد احمد، ایڈووکیٹ (نائب صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن قصور) ـــــ ۵۔ میاں محمود احمد، ایڈووکیٹ ـــــ ۶۔ مفتی کفایت اللہ، ایڈووکیٹ ـــــ ۷۔ چوہدری محمد نعیم، ایڈووکیٹ ـــــ ۸۔ چوہدری محمد یعقوب، ایڈووکیٹ ـــــ ۹۔ چوہدری محی الدین، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۰۔ عطاء اللہ بھٹی، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۱۔ حاجی صدیق اکبر انصاری، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۲۔ محمد رفیق چوہدری، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۳۔ چوہدری عبدالمجید، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۴۔ چوہدری مدثر نواز، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۵۔ چوہدری عبدالرشید خان، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۶۔ محمد شفیق اکرم اعوان، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۷۔ حاجی محمد حنیف کمبوہ، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۸۔ محمد ظفر اقبال، ایڈووکیٹ ـــــ ۱۹۔ ایم سرور خان سنگل، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۰۔ ملک غلام قادر، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۱۔ چوہدری اصغر علی گجر، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۲۔ چوہدری مسعود احمد ظفر، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۳۔ رانا محمد سرور، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۴۔ چوہدری محمد شریف زاہد، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۵۔ چوہدری محمد شفیق، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۶۔ سردار محمد انور تھیم، ایڈووکیٹ ـــــ ۲۷۔ مولانا عبدالعظیم انصاری (امیر جمعیت اہلحدیث قصور) ـــــ ۲۸۔ پروفیسر عبدالغفور راشد (ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث قصور) ـــــ ۲۹۔ قاری محمد حنیف طیب (ناظم مرکزی جمعیت اہلحدیث، قصور) ـــــ ۳۰۔ پروفیسر عبدالحکیم سیف (مہتمم جامعہ محمدیہ قدوسیہ کوٹ رادھا کشن قصور) ـــــ ۳۱۔ پروفیسر زاہد احمد (گورنمنٹ ڈگری کالج، قصور) ـــــ ۳۲۔ پروفیسر طاہر حسین (گورنمنٹ ڈگری کالج قصور) ـــــ ۳۳۔ چوہدری نعمت علی کوکب ـــــ ۳۴۔ ڈاکٹر عبدالعلیم (نائب ناظم جمعیت اہلحدیث، قصور) ـــــ ۳۵۔ مولانا محمد ابراہیم خادم قصوری ـــــ ۳۶۔ مولانا محمد ابراہیم کاظم (نائب امیر جمعیت

magazine.mohaddis.com

اہلحدیث ضلع قصور) ـــــ ۳۷- مولانا محمد اکرم سالک (ناظم نشرواشاعت اہلحدیث، قصور) ـــــ ۳۸- قاری محمد صدیق الحسن ـــــ ۳۹- حافظ احسان الرحمٰن (صدر اہلحدیث یوتھ فورس سٹی قصور) ـــــ ۴۰- خلیل الرحمٰن ثاقب (جنرل سیکرٹری، اہلحدیث یوتھ فورس ضلع قصور) ـــــ ۴۱- شیخ محمد فاروق ـــــ ۴۲- حافظ محمد طاہر ـــــ ۴۳- پروفیسر محمد سعید عابد ـــــ ۴۴- فیاض احمد ـــــ ۴۵- محمد شریف ـــــ ۴۶- اعجاز احمد ـــــ ۴۷- ظفر شیر انصاری ـــــ ۴۸- حفیظ الرحمٰن یزدانی ـــــ ۴۹- اختر حسین ـــــ ۵۰- محمد اسماعیل ـــــ ۵۱- ملک نذیر احمد ـــــ ۵۲- قاری محمد منیر قاسم ـــــ ۵۳- مولانا معراج الدین معراج ـــــ ۵۴- افتخار احمد ـــــ ۵۵- محمد نذیر ـــــ ۵۶- عبدالعزیز ـــــ ۵۷- عمر فاروق خان ـــــ ۵۸- حافظ محمد طارق ـــــ ۵۹- سیف اللہ خالد ـــــ ۶۰- مولانا بشیر احمد ـــــ ۶۱- مولانا سید نور اللہ شاہ ـــــ ۶۲- فضل دین ـــــ ۶۳- ڈاکٹر محمد یعقوب ـــــ ۶۴- اصغر علی ارشد ـــــ ۶۵- عامر محمود ـــــ ۶۶- پروفیسر محمد اسلم چوہدری صاحب

کاروائی اجلاس جمعیت وکلاء اہلحدیث قصور

مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۹۵ء کو بوقت ۳ بجے سہ پہر بار روم ضلع کچہری قصور میں وکلاء اہلحدیث قصور کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں وکلاء کے علاوہ ضلع قصور کے سرکردہ علماء، پروفیسر اور ڈاکٹر صاحبان نے خاص طور پر شرکت کی۔ نوعیت کے اعتبار سے اگرچہ قصور میں یہ پہلا اجلاس تھا بہرحال اس کے باوجود حاضری بہت تسلی بخش تھی۔ تمام حضرات نے بڑے جوش، جذبہ اور خلوص کے ساتھ شرکت کی۔ لاہور سے جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب (ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز۔ شریعت و قضا) مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے جن کے ہمراہ جناب خواجہ حفیظ اللہ، ایڈووکیٹ بھی تھے۔

اجلاس کی باقاعدہ کاروائی تلاوت قرآن پاک سے ہوئی۔ جناب قاری محمد اکرم سالک صاحب کی تلاوت کے بعد مولانا معراج الدین صاحب نے نعت پڑھی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض میاں محمود احمد (ایڈووکیٹ) نے انجام دیئے۔

چوہدری محمد نعیم (ایڈووکیٹ) نے حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا انہوں نے کہا کہ حاضرین کا جذبہ، خلوص اور تعاون اسی طرح رہا تو ان شاء اللہ نفاذ شریعت کی کامیابی میں ہم اہم کردار ادا کرسکیں گے۔ مزید کہا کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں جو معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کو ختم کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

magazine.mohaddis.com

مفتی کفایت اللہ، ایڈووکیٹ قصور نے اپنی تقریر میں نفاذ شریعت کے روشن دور میں عدل و انصاف کی مثالیں دیں اور موجودہ حالات کا جائزہ پیش کیا۔ کہا کہ اگر ایمان کی مضبوطی ہو تو پھر صحیح عدل ہو سکتا ہے۔ مزید کہا کہ ہمیں رسول کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر خلفاء کے اصولوں اور فیصلوں سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے تاکہ ہم اپنے معاشرے کو اسلام کے مطابق ڈھال سکیں۔

جناب خواجہ حفیظ اللہ صاحب، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (جنرل سیکرٹری ورلڈ شریعت کونسل نے کہا کہ قصور میں ورلڈ شریعت کونسل اور جمعیت وکلاء اہلحدیث دونوں کو منظم اور فعال کیا جائے۔ مزید کہا کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین بھیج رہی ہے جو کہ وہاں انڈین آرمی کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں، اور متعدد مجاہدین، کافروں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید بھی ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے شعبہ جہاد کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ انہوں نے وکلاء قصور کو دعوت دی کہ آپ ہمارے ساتھ کشمیر چلیں تاکہ ہم آپ کو مجاہدین کے کارنامے اور خدمات دکھا سکیں۔

آخر میں انہوں نے چوہدری محمد نعیم (ایڈووکیٹ) کو ورلڈ شریعت کونسل کا مرکزی رابطہ سیکرٹری اور مفتی کفایت اللہ (ایڈووکیٹ) کو جمعیت وکلاء سلفیہ، قصور کا کنوینر مقرر کیا۔ تاکہ قصور میں دونوں تنظیموں کو منظم کیا جا سکے۔

جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب، نائب صدر ورلڈ شریعت کونسل کی تقریر پر مغز اور علمی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ان کا ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف ہائر سٹڈیز۔ شریعہ اور جوڈیشری لاہور علمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے ہاں ہائی کورٹ لاہور کے جج صاحبان، سیشن جج صاحبان اور سول جج صاحبان کی ایک بڑی تعداد تربیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ وکلاء کو بھی ان کا ادارہ مختلف کورس کروا چکا ہے۔ اس ادارہ میں بڑے بڑے سکالر علماء لیکچر دیتے رہے ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی قوانین سے آگاہ کرتے ہیں یہ کورسز وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس طریقے پر وہ نفاذ شریعت کے لیے عملی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مزید کہا کہ قصور کے علماء اور وکلاء کا جذبہ خلوص قابل قدر ہے، اور اگر یہ دونوں طبقے مشترکہ طور پر سنجیدگی سے کوشش کریں تو اسلامی نظام کے نفاذ میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ مزید کہا کہ ورلڈ شریعت کونسل کے تحت مختلف قسم کے مذاکرے، سیمینار منعقد کروائے جائیں گے۔ تاکہ علمی اعتبار سے فائدہ حاصل ہو سکے۔

آخر میں مولانا عبدالعظیم انصاری، امیر سٹی قصور مرکزی جمعیت اہلحدیث نے دعا کروائی اور اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ ○○

www.KitaboSunnat.com

gd. No. L : 7895 Phone : 852897

'MUHADDIS' Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ----- لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم امت کے لئے رحمت کا باعث ہے۔
- علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار 'انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ----- لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ----- لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے
- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے ----- لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے -- لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد صالحین کے اوصاف میں داخل ہے ----- لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

❁

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

محدث

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے۔ ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زر سالانہ: 100 روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99 J MODEL TOWN LAHORE-14

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ